ماہنامہ

المرشد

اگست 2017ء

ذیقعد/ ذوالحج 1438ھ

اللہ
رسول
محمد

عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا عَنْ رَسُوْلِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الذِّکْرُ الَّذِیْ لَا تُسْمِعُہُ الْحَفَظَۃُ یَزِیْدُ عَلَی الذِّکْرِ الَّذِیْ تُسْمِعُہُ الْحَفَظَۃُ سَبْعِیْنَ ضِعْفًا...

(الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب، فیض القدیر، رواہ البیہقی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ذکرِ الٰہی جسے کراماً کاتبین نہیں سنتے اس ذِکر سے ستر (70) درجے بہتر ہے جسے وہ سنتے ہیں۔

CRYSTAL MOSQUE, MALAYSIA

بندے قتل کرنا جہاد نہیں ہے، برائی کو روکنا جہاد ہے۔ (بیان، صفحہ نمبر 9)

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی

تصوف

تصوف کیا ہے؟

تمام عبادات اللہ سے تعلق بنانے کا ذریعہ ہیں۔ جو جتنی ضروری ہے اتنا ہی وہ فرض اور واجب قرار دی گئی ہے۔ ان سب عبادات میں ذکرِ قلبی وہ واحد عبادت ہے جس کے ساتھ اللہ کا ایک ایسا وعدہ ہے جو کسی اور عبادت کے ساتھ نہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں: فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (سورۃ البقرہ:152) پس تم مجھ کو یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔ جسے اللہ کریم یاد کریں اس سے زیادہ خوش نصیب کون ہوسکتا ہے!

تصوّف اس نعمت کے حصول کا راستہ ہے۔ اس راستے پر چلنا اللہ کے طالبوں کا کام ہے۔ بندہ شوق اور لگن سے اس راستہ پر چلتے ہوئے مجاہدہ کرتا ہے۔ ذکرِ الٰہی پر مجاہدہ، اطاعتِ الٰہی میں حتی المقدور کوشش اور مجاہدہ، محاسبہ نفس پر مجاہدہ، پھر وہ اس قابل ہوتا ہے کہ خواہشاتِ نفسانی کو رضائے باری پر قربان کردینے کا حوصلہ پالیتا ہے۔

صحبتِ شیخ تصوف کا وہ لازمہ ہے جس کے بغیر یہ دولت حاصل ہونا محال ہے۔ شیخ یہ دولت اپنے مشائخ سے سینہ بہ سینہ حاصل کرکے اللہ کے طالبوں کے سینے اللہ کی یاد سے روشن کرتا ہے۔ لہٰذا حصولِ تصوف میں طلبِ صادق ہو، شیخ کامل ہو، لگن وشوق سے ذکرِ الٰہی ہو تو بندہ اللہ کی عظمت پر قربان ہونا سیکھ لیتا ہے۔ جس نے یہ سیکھ لیا وہ اپنا مقصدِ زندگی پاگیا، اور جو یہ نہ کرسکا اس نے خود کو بھی کھو دیا۔

صحبتِ شیخ کی اہمیت کے بارے مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا: ''صحبتِ شیخ کے بغیر کوئی لاکھ تسبیحات پڑھے، ثواب ہوگا، محبتِ الٰہی کے وصول میں کچھ نفع نہ ہوگا۔'' کسی نے عرض کیا، حضرت! خود ذکر اللہ میں یہ صفت ہونی چاہیے کہ وہ کافی ہوجایا کرے، صحبتِ شیخ کی قید کس لیے؟ فرمایا، کام تو ذکر اللہ سے ہی ہوگا، جس طرح کاٹنے کا کام جب بھی ہوگا تلوار ہی سے ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کسی کے قبضہ میں ہو، ورنہ اکیلی تلوار پڑی رہے گی، خود تو کچھ نہ کرسکے گی۔

حصولِ محبتِ الٰہی کا آسان طریقہ تصوف ہے کہ محبت، اہلِ محبت کے پاس بیٹھنے سے ہوجاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست اعلیٰ الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقۂ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
سحر حیات	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	15
اکرم التفاسیر، سورۃ الزخرف 36 تا 45	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	21
شرح مشکوٰۃ المصابیح	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	26
سوال و جواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	34
خواتین کا صفحہ		41
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	43
مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ	عائشہ خان، لاہور	46
طب	حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا	48
Translated from Akram-ul-Tafseer	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	54
Tassawuf	Maulana Allah Yar Khan(RAU)	57

ناشر: عبدالقدیر اعوان | انتخاب جدید پریس، لاہور 042-36309053

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال

ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org

Ph:054-3562200, Fax: 054-3562198 Email:daruirfan@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں اس دائرے میں اگر کراس X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

ماہنامہ المرشد

اگست 2017ء، ذیقعد/ذوالحج 1438ھ

جلد نمبر: 38

شمارہ نمبر: 12

مدیر اعلیٰ: صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

مدیر: محمد اجمل

نائب مدیر: محمد ادریس خان

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

انچارج ترسیل حسابات: چوہدری محمد اسلم

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ 235 روپے ششماہی

بھارت، سری لنکا، بنگلہ دیش 1200 روپے

مشرق وسطیٰ کے ممالک 100 ریال

برطانیہ یورپ 135 سٹرلنگ پاؤنڈ

امریکہ 160 امریکن ڈالر

فار ایسٹ اور کینیڈا 160 امریکی ڈالر

سرکولیشن و رابطہ آفس

ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور

Ph: 042-35180381, Cell: 0303-4409395,
Email: monthlyalmurshed@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل تفسیر

قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

قُلْ مَنْ كَانَ ۔۔۔۔ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ (سورۃ البقرہ: 97)

دماغ اور دل کی صلاحیتوں میں فرق:

یہاں یہ بات سمجھ لی جائے کہ انسان جس قدر علوم حاصل کرتا ہے ان کا خزانہ تو دماغ ہے پھر یہ نزولِ علم دل پر کیسا؟ تو یہ جان لینا چاہئے کہ علم کی اقسام دو ہیں، مادی اور رُوحانی۔ علوم مادیہ یا مادی کمالات کو سیکھنا، محفوظ رکھنا اور ان کو عمل میں لانا دماغ کا کام ہے۔ جسم مادی ہے، اس کی ضروریات مادی ہیں، دماغ بھی ایک مادی جسم ہے۔ جس کا کام جسم کی ضروریات کو جاننا اور ان کی تکمیل کی راہیں تلاش کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مادی کمالات کے لیے ایمان ضروری نہیں، کافر بھی ڈاکٹر، سائنسدان، انجنیئر وغیرہ بن سکتا ہے۔

دوسرا علم روحانی ہے۔ رُوح کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ وہاں کے علوم جاننا دماغ کے بس کی بات نہیں بلکہ دل کا کام ہے۔ وہ دل جو اس گوشت کے لوتھڑے میں اللہ نے رکھ دیا ہے جو حقیقتاً عالمِ امر ہی کا ایک لطیفہ ہے۔ اللہ کی ذاتی عظمت کا شعور، اس کی صفات کا ادراک، آسمان سے عالم بالا کی باتیں، ارواح، برزخ، آخرت، موت یا بعد الموت، حشر ونشر، ثواب وعذاب، جنت، دوزخ یہ سب وہ حقائق ہیں جن کو روحانی علوم کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے جن کا مہبط دِل ہے۔

اگر دماغ میں صلاحیت ہوتی تو ساری کائنات میں سب سے افضل دماغ بھی محمد رسُول اللہ ﷺ کا ہے۔ آپ ﷺ کے دماغ کو خطاب فرمایا جاتا یا اُن علوم کی تعلیم دی جاتی مگر نہیں، یہاں مہبطِ وحی قلبِ اطہر ہے۔ لہٰذا اس علم سے مستفید ہونے کے لیے روزنِ دل وا کرنا ہوگا، تو فرمایا، فرشتہ اللہ کا ذاتی کلام لایا جو براہِ راست قلب اطہر پر نازل ہوا۔ یہ بھی کلام کی عظمت کا اظہار ہے کہ دماغ کی رسائی ہی سے بالاتر ہے بلکہ خود دماغ کی اصلاح کرنے والا ہے، نہ یہ کہ کسی کا دماغ اس کی اصلاح کرنے لگ جائے۔

قرآن کے مصدق ہونے کا مفہوم:

اپنے سے پہلے اس کلام کی جو کسی زمانے میں بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوا تصدیق کرتا ہے۔ یہ تصدیق بھی دو قسم کی ہے۔ ایک تو مضمون اخبار میں پہلے کی تصدیق کرتا ہے مثلاً ذات وصفاتِ باری، حشر ونشر، حساب کتاب یا جنت دوزخ کے جو حقائق پہلی منزل من اللہ کتاب نے بیان کئے وہی بیان کرتا ہے اور دوسری تصدیق حالاً ہے کہ ان سب کتابوں میں نبی آخر الزماں ﷺ اور اللہ کی آخری کتاب کے آنے کی پیشگوئی موجود ہے سو اس نبی ﷺ اور کلام نے آکر عملاً ان کی پیشگوئی سچی ثابت کردی۔

اداریہ

جستجو

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (سورۃ الفتح:29)

''اللہ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں لگے ہیں۔''

جستجو یعنی ڈھونڈ ڈھانڈ، تلاش مگر اس کیفیت کا انحصار احساس پر ہے اور احساس کہ جس کے لغوی معنی تو حواس خمسہ میں سے کسی حس کے ذریعے کچھ معلوم کرنا ہے مگر یہ معنی ادھورے لگتے ہیں جب تک چھٹی حس ساتھ شامل نہ کی جائے۔ جب احساس پر توجہ کی جائے تو اس کی تہہ میں نیت نظر آتی ہے جو کہ دل (قلب) کا فعل ہے اسی لیے تو بے حسی کی کیفیت کا دوسرا نام سنگ دلی اور احساس کا دوسرا نام رحم دلی کہلاتا ہے مگر ساری گفتگو اور سارے معنی و مفاہیم لاحاصل ہیں اگر جستجو کی راہ قدوم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور منزل فضل و رضا ذاتِ باری تعالیٰ نہ ہو۔

سالکین تصوف کے لیے ضروری ہے کہ اول ہمہ وقت اس بحر میں بفضل تعالیٰ اترنے کا مقصد یاد کے بالا خانوں میں رہے اور دوم پھر سالک اپنے اور شیخ کے مابین رشتے کی نزاکت پر بھی کبھی گرد نہ پڑنے دے چونکہ کاغذ تو لکڑی یا برادے کا ہوتا ہے مگر اس پر اسم تحریر ہونے سے بندہ مومن کو جان سے عزیز تر ہو جاتا ہے تو وہ سینہ بھی کتنا محترم ہوگا جسے مسلسل رابطہ نصیب ہے قلب اطہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ شریعتِ مطہرہ دیکھ کر بیعت کرے پھر بعد میں چوں چراں کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بے شک قرآن و سنت دینِ اسلام کی حدود ہیں اور سالک حاصل تو کیفیاتِ قلبی کرنے آئے اور ٹٹولتا ظاہری آنکھوں سے نہ رہے بلکہ جو اور جیسے کہا جائے ویسے ذکر اذکار پر محنت کرے، باقاعدہ اور تواتر سے کرے اور سوم اگر پہلی دونوں باتوں پر عمل اخلاص پر مبنی ہے تو اپنی حیات کے شب و روز کو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مزین پائے گا۔

کسی شخصیت سے کوئی بھی فائدہ حاصل کرنا ہو تو نہ چوری سے ہو سکتا ہے نہ زور زبردستی سے بلکہ اس کی رضا مندی اور خوشنودی حصولِ مقصد کا سبب بنتی ہے اور پھر سینہ سے کیفیاتِ قلبی کا حصول کیا شیخ کی خوشنودی کے سوا ممکن ہے؟ ہرگز نہیں، ہاں شیخ اگر واقعی شیخ ہے تو اس کی خوشنودی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہوگی کیا ہم نے کبھی غور کیا یا صرف حصول دنیا میں مصروف رہے۔

بے شک دنیا فانی ہے اور حق یہ ہے کہ تعلق مع اللہ ابد الآباد کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ من الحیث القوم ضرورت ہے کہ ہم اللہ کی یاد کو دلوں میں بسائیں تا کہ دنیا دلوں سے نکلے اور ہمیں احساس نصیب ہو کہ وطن عزیز پاکستان کی آزادی کی خاطر ہمارے اجداد نے کتنی قربانیاں دی ہیں اور آج پاکستان دشمن قوتیں کس قدر متحد ہیں اور ہم کس قدر منقسم۔

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

طریقہ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○ اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ پھر ذکر شروع کر دیں طریقہ نیچے درج ہے۔

پہلا لطیفہ: مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے، چوتھے اور پانچویں لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

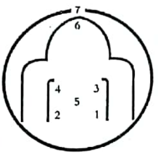

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔ ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ قلزم فیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمہٗ مَن وخاتمہٗ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی بخیر گردان

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیماب اور فقیر۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

گردِ سفر

کون سی ایسی بات ہوئی ہے

نشانِ منزل

متاعِ فقیر

دل دروازہ

سوچ سمندر

آس جزیرہ

دیدۂ تر

بارگاہِ رسالت میں

پھر سے دیوانے ترے ہوں گے جنوں میں مبتلا
موڑ کے رکھ دیں گے پہیہ گردشِ ایام کا

پھر اسی محفل کو تیرے نام سے چمکائیں گے
اپنے سینے میں بسا کر تجھ کو واپس لائیں گے

خون دے کے یہ بسایا تھا چمن تیرے لیے
اس میں پالے تھے سبھی سرو وسمن تیرے لیے

تیرے ہی روشن قدم سے اس کو پھر چمکائیں گے
پتے پتے پر تمہارا نام لکھتے جائیں گے

لا الٰہ کی تیغ کاٹے گی اندھیرے کا جگر
گنبدِ خضرا سے روشن ہوگی پھر اپنی سحر

اپنا خوں سیمابؔ دے کر اتنا ہم کر جائیں گے
نام آقا کا چمن میں پھر رقم کر جائیں گے

(حمد ونعت سے ماخوذ)

اقوالِ شیخ

1۔اسلام تسلیم کرنے اور ماننے کا نام ہے اور عملاً اطاعت چاہتا ہے۔

(المرشد،جنوری 2010ء)

2۔بیعتِ تصوف کا اصل مقصد علمِ باطنی کا حصول ہے۔یہ گناہوں سے ہجرت کا نام ہے۔

(بیعت کیا ہے؟ص:5)

3۔معاشی نظام کی بنیاد دوسروں کے حقوق نہ مارنا اور دوسروں کی مدد کرنے پر استوار ہے۔

(اسرار التنزیل،جلد 6،ص:6)

4۔انسان،اُنس سے بنا ہے۔اُنس قائم رکھ کر ہی انسانیت کے مقام پر قائم رہ سکتا ہے۔

(المرشد 2010،ص:40)

5۔ادب دراصل سیکھا نہیں جاتا بلکہ جب دل میں طلبِ الٰہی کی نیت کھری ہو تو ادب خود بخود آ جاتا ہے۔

(پمفلٹ اجتماع،ص:28)

6۔یاد رکھیں!اسلام کا کوئی حکم زندگی کو مشکل بنانے کے لیے نہیں بلکہ زندگی کو آسان بنانے کے لیے ہے۔

(المرشد،اگست 2016ء،ص:21)

7۔تکبر کی اتنی مذمت اللہ نے کی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کفر اور انکار کا سبب بھی تکبر ہی بنتا ہے۔

(شرح مسائل السلوک،حصہ اوّل،ص:406)

8۔ایمان کے لیے عمل اور عمل کے لیے خلوص اور اتباعِ رسالت ﷺ ضروری ہے۔

(کنوزِ دل،ص:51)

9۔اپنی پسند سے اللہ کی کائنات میں جینا چھوڑ دو۔

(اسرارِ التنزیل،جلد:3،ص:6)

10۔خلوصِ دل سے بھلائی چاہنا ہی تبلیغ کی بنیاد ہے۔

(نقوش،ص:453)

بیان 7 مئی 2017ء

بحرِ حیات

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ط وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط

یہ جس کے سات لطائف ہوجائیں، سلطان الاذکار نصیب ہوجائے تو لوگوں کو تو پتا نہیں ہے، ساری زندگی ضائع کر دیتے ہیں بھاگتے دوڑتے روپے پیسے کے پیچھے۔ دولت تو یہاں پڑی ہے اور یار یہ روٹی تو اللہ نے دینی ہے، رزق اس نے اپنے ذمہ لے لیا ہے وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (سورۃ ھود:6) کوئی ذی روح زمین پر ہے اس کی روزی میرے ذمے ہے۔ بات ختم ہوگئی اور وہی ملنی ہے جو اس نے دینی ہے۔ کروڑوں جمع کرلو، جمع پڑے رہیں گے۔ کھاؤ گے وہی جو تمہارے حصے میں اس نے کرنا ہے۔ فقیر سے لے کر بادشاہ تک اپنا حصہ کھا سکتا ہے، باقی جمع پڑا رہے گا، باقی جن کا نصیب ہے وہ کھائیں گے۔ اس کی ہم زیادہ فکر کرتے ہیں جس کا ذمہ اللہ نے لے لیا ہے۔ جو ہمارے ذمے لگایا ہے وہ ہم بھول گئے ہیں۔ ہمارے ذمے ہے کہ ہم گرتے پڑتے کم از کم سلطان الاذکار تک تو پہنچیں، ہر لمحے ہمارے وجود سے دس کھرب بار اللہ کا نام نکلے۔ قرآن کہتا ہے ناں کہ ذکرِ کثیر کرو۔ ذکر کثیر تو پھر تب ہی بنتا ہے ناں جب ایک ایک سیل ذکر کرے۔ اب یہ تو ابتداء ہے۔ بات چل پڑتی ہے، اس سے مراد بعض مراقبات شروع ہوجاتے ہیں، احدیت، معیت، اقربیت، سب قرآنی آیات ہیں۔ مراقبات کیا ہیں؟ قرآنی آیات کی کیفیات کو دل میں سمونا۔ ہر بات کی ایک کیفیت ہوتی ہے۔ کوئی بندہ کسی کو گالی دیتا ہے تو ایک جملہ ہی کہتا ہے ناں تو اگلا بھڑک کیوں اٹھتا ہے؟ اس جملے میں جو کیفیت تھی ناں وہ بھڑکا دیتی ہے۔ ایک بندہ کسی کی خوشامد کرتا ہے یا دعا دیتا ہے تو وہ خوش ہوجاتا ہے۔ کیوں خوش ہوتا ہے؟ جملہ ہی ہے ناں۔ ایک جملے پر مارنے مرنے پر تل جاتا ہے، ایک جملے پہ خوش ہورہا ہے، اس میں اور کیفیت تھی، اُس میں اور کیفیت۔ اگر بندوں کے جملوں میں کیفیات ہیں، اللہ کے ارشاد میں کتنی کیفیت ہوگی وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ ؕ (الحدید:4) تم کہاں ہو، کس حال میں ہو، اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اب اس کی کیفیت دل میں آئے تو مراقبہ معیت بن گیا۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴿۱۶﴾ (قٓ:16) قرآن نے تو کہہ دیا، اللہ فرماتا ہے میں شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں، کیسے قریب ہے؟ اس کی کیفیت؟ کیفیات تو نہ لکھی جاتی ہیں، نہ پڑھی جاتی ہیں، نہ بولی جاتی ہیں صرف محسوس کی جاتی ہیں، وہ کیفیت دل میں وارد ہو تو مراقبہ ہوگیا۔ یہ مراقبات فنا بقا تک جاتے ہیں، فنافی الرسول سیر کعبہ تک جاتے ہیں اور بیشمار اہل اللہ فنا بقا پر رہ گئے یہ سمجھ کر کہ یہاں سلوک مکمل ہوگیا حالانکہ یہ محض سلوک کی ابجد ہے ابتداء ہے، ا۔ ب۔ ج ہے، یہ prep ہے، کچی پہلی کا قاعدہ ہے۔ اس سے جب کوئی آگے نکلتا ہے تو سالک المجذوبی کے مدارج ہیں۔ بہت بلند و بالا منازل ہیں، نورانی حجابات ہیں، شق ہوتے جاتے ہیں، روح گزرتی جاتی ہے۔ یکے بعد دیگرے سات منازل ہیں، بالکل شفاف شیشے کی طرح ہیں، باہر سے اندر نظر نہیں آتا، اندر سے باہر سب کچھ دکھتا ہے۔ اب اس کی نقل انسانوں نے بھی بنالی ہے۔ وہ ہوتے ہیں ناں خیالات، دل میں آتے ہیں، پھر چیزیں انسان بناتے ہیں۔ انسان بھی عمارتوں میں ایسا شیشہ لگاتے ہیں، باہر سے اندر نظر نہیں آتا اندر سے باہر نظر آتا ہے۔ یہ کیفیت

سالک المجذوبی کی عمارتوں میں ہے۔ سات منازل ہیں۔ بہت خوش قسمت ہے جسے یہ عظمتیں، یہ بلندیاں نصیب ہوں اور پھر وہ ساتھ قبر میں لے جائے۔ مزہ تو تب ہے بھئی! بڑی دولت امریکہ میں کمائی مزہ تو تب ہے کہ گھر لے آئے۔ برطانیہ میں کمائی وہاں پڑی ہے، مزہ تو تب ہے کہ اپنے گھر لے آئے۔ دنیا میں مراقبات ہیں مزہ تو تب ہے جب قبر میں ساتھ آئیں۔ جو ساتھ لے گیا۔ دنیا میں مراقبات کا کیا فائدہ؟ وہ انوارات خواہ ایک بندے کو نصیب ہوں اس کے طفیل ساری کائنات میں، روئے زمین پر پھیلتے ہیں، دلوں کو سیراب کرتے ہیں، نیکی پھلتی پھولتی ہے۔لیکن یاد رہے بڑھتی برائی بھی ہے۔ چونکہ یہ بارش ہوتی ہے، جہاں فصلیں شاداب ہوتی ہیں، جڑی بوٹیاں بھی پھیلتی ہیں۔ پھر مالی کا کام ہے جو مضر بوٹیاں ہیں، جن کی ضرورت نہیں ہے انہیں اکھاڑ کر باہر پھینکے، باغ کو صاف کرے، پھر گوڈی کرنی ہے کلمہ گونے، اسی کو جہاد کہتے ہیں۔ کائنات سے برائی کو روکنا جہاد ہے۔ بندے قتل کرنا جہاد نہیں ہے، برائی کو روکنا جہاد ہے۔ بہت بڑا گنہگار بھی گناہ سے توبہ کرلے تو توبہ کرنے سے مقصد حاصل ہوگیا۔ اسے قتل کرنا ضروری نہیں ہے، بندے مارنا جہاد نہیں ہے، بندوں کو برائی سے روکنا جہاد ہے۔ تو پھر یوں کام بڑھ جاتا ہے۔ بیشار اللہ کے بندے ہیں، کتب تصوف میں جن کے بہت بڑے بڑے نام ہیں، وہ سالک المجذوبی تک پہنچے۔ اپنے اپنے عہد میں انہوں نے انقلاب پیدا کیے، عالم کفر میں دین کا نور پھیلایا۔ بیشار لوگ ان کی وجہ سے گناہ سے تائب ہوئے، بیشار لوگ کفر سے تائب ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پھر اس کے بعد کچھ اور اولوالعزم آگئے، اُس سے آگے بڑھ گئے، وہ اگلی منازل کو چیرتے ہوئے مسجدِ نور تک جا پہنچے۔ یہ جو مراقبہ احدیت ہے دراصل یہ عرشِ عظیم کا دروازہ ہے اور زمین سے پچاس ہزار سال کی راہ ہے۔ صوفیاء لکھتے ہیں کہ کوئی شیخ اگر کسی کو مراقبۂ احدیت کرادے اور پھر وہ اس سے کسی کرامت کا طالب ہو تو جاہل ہے۔ اس سے بڑی کرامت کیا ہوگی کہ ایک آن میں پچاس ہزار سال کا راستہ طے کرادے۔ معیت، اقربیت، فنابقا، سالک المجذوبی یہ ابتداء میں چلے آتے ہیں مسجدِ نور تک۔ مسجدِ نور کو اگر دیکھا جائے تو بڑے بزرگ، عمر رسیدہ، سفید ریش، کمر دوہری والے عمریں لگا کر محنتیں کرکے وہاں پہنچے۔ وہاں کے انوارات انہوں نے کائنات میں بانٹے، دلوں کو سیراب کیا، پھر جہاد کیا۔ جو جڑی بوٹیاں پیدا ہوئیں انہیں اکھیڑا، کفر کے خلاف جہاد کیا، برائی کو مٹایا، نیکی کو پھیلایا۔ اللہ کے مقرب اولوالعزم بندے تھے، انقلاب آفرین تھے۔ یہ ہمارے مؤرخ لکھتے ہیں ناں کہ یہ دنیا میں اسلام صوفیاء نے پھیلایا، یہ تو لکھتے ہیں لیکن کیسے پھیلایا؟ یہ ان کے بس کی بات نہیں یہ انہیں نہیں پتا۔ یہاں سے اگلے منازل جو ہیں انہیں کہتے ہیں پہلے عرش کے منازل۔ عرشِ عظیم کے نو حصے ہیں جنہیں نو عرش کہتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے، میرے سامنے کئی دفعہ انہوں نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے کوشش کی تھی کہ پہلے عرش کی منازل کا شمار کروں، آپ مسجد نور میں کھڑے ہوکر اوپر نگاہ کریں تو حدِ نگاہ تک ایک ستارہ سا ٹمٹماتا سا نظر آتا ہے وہ بھی قلب کی نگاہ کو، ظاہری کو نہیں، اتنا فاصلہ ایک منزل میں ہوتا ہے۔ تو حضرت فرماتے تھے ایک لاکھ سولہ ہزار تو میں نے گنی تھیں، جو مجھے یاد ہیں پہلے عرش میں جو منازل تھیں، کچھ کم وبیش ہوں تو اب مجھے یاد نہیں، یہ تعداد مجھے یاد ہے کہ ایک لاکھ سولہ ہزار تو میں نے گنی تھیں شاید کچھ رہ بھی گئی ہوں۔ اتنا فاصلہ ایک منزل میں ہے اور سوا لاکھ منازل کم وبیش پہلے عرش یا عرش کے پہلے حصے میں ہیں، تو یہ نو عرش ہیں اور ہر عرش کے منازل بھی بڑھتے جاتے ہیں اور ان کے درمیان فاصلہ بھی بڑھتا جاتا ہے اور بڑے بڑے اولوالعزم نام ہم نے کوئی پہلے عرش میں، کوئی دوسرے میں، کوئی تیسرے میں، کوئی چھٹے ساتویں میں مثلاً ایک اسم گرامی عرض کردیتا ہوں خواجہ غوث بہاؤالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وقت کے غوث بھی تھے اور ساتویں عرش میں ان کا وصال ہوا ہے۔ بہت سے نام نامی ہیں، کون سے کن کو شمار کریں چونکہ یہ معروف ہیں تو میں نے ان کا عرض کردیا۔ تو بڑے بڑے عظیم لوگ پھر ایسے بھی ہیں جو نو عرش عبور کرگئے۔

آنکہ آمد نُہ فلک معراجِ اُو
انبیاء و اولیاء محتاجِ اُو

وہ ہستی کہ جس کی معراج نو عرشوں سے بالا تھی، سارے نبی، سارے ولی، جس کے محتاج ہیں، تو یہ نو عرشوں کی بات متقدمین سے محققین سے آرہی ہے، ہم نے نہیں کی۔

اس سے بالا جب آپ نکلتے ہیں تو پھر دوائر شروع ہوجاتے ہیں

عالمِ امر کے۔ حدیث شریف میں ہے، اس مفہوم کی ایک حدیث پاک موجود ہے۔ حضورﷺ فرماتے ہیں کہ ایک عرش کی وسعت اتنی ہے کہ نیچے کی ساری کائنات ایسی ہے جیسے صحرا میں ایک چھلہ پڑا ہو عرش کے مقابلے میں۔ لیکن جب نو عرش عبور ہو جائیں اور کوئی عالمِ امر میں، پہلے دائرے کا نام تقرب ہے دائرہ تقرب میں قدم رکھے تو دائرۂ تقرب کے لیے نو عرشوں سمیت نچلی ساری کائنات کی حیثیت وہ ہو جاتی ہے کہ جیسے صحرا میں ایک چھلہ پڑا ہو۔ بے پناہ وسعتیں ہیں اس کی۔ ہمارے ہاں بھی ایسے اولوالعزم لوگ ہیں۔ یہ دوائر تقریباً کم و بیش پچاس ہیں اب ایک کی وسعتیں ایسی ہیں تو پچاس کا نام کون لے گا۔ بڑی بڑی اولوالعزم ہستیاں الحمدللہ! ہماری سرزمین پہ بھی ایسے ہیں جو ان نو عرشوں کو عبور کر کے اوپر کے دوائر میں دنیا سے رخصت ہوئے جن میں معروف حضرت داتا صاحبؒ ہیں دوسرے تیسرے دائرے میں ہیں، خواجہ معین الدین اجمیریؒ ہیں۔ ایک حضرت بھیرہ شریف میں دفن ہیں، اوپر لوگوں نے مکان بنائے ہوئے ہیں، غیر معروف ہیں۔ یہ جو گلیاں بنی ہوئی ہیں یہ نہیں، لوگوں کے مکانوں کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔ بہت سے لوگ ہیں، غالباً چودہ پندرہ لوگ تو برصغیر میں بھی گنے جا سکتے ہیں جو نو عرشوں سے اوپر عالم امر کے دوائر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کی ہستی کا فائدہ یہ ہوتا ہے پھر وہاں سے انوارات آتے ہیں، جتنے اوپر کوئی جاتا ہے وہاں سے جو انوارات پاتا ہے وہ اتنے قوی، اتنے روشن اور انقلاب آفرین ہوتے ہیں۔

لیکن یاد رکھو انقلاب پورے عالم میں آتا ہے جہاں نیکی بڑھتی ہے، بڑھتی برائی بھی ہے۔ پھر مالی کو یا نیک لوگوں کو جھاڑ جھنکاڑ کی صفائی کرنی پڑتی ہے، محنت کرنی پڑتی ہے، برائی کو مٹانا پڑتا ہے، نیکی کو بڑھانا پڑتا ہے۔ اگر مالی اپنا کام چھوڑ دے پھر برائی چھا جاتی ہے، پھر فصلیں پھل نہیں دیتیں، فروٹ والے درخت فروٹ نہیں دیتے، پھر جھاڑ جھنکاڑ انہیں گھیر لیتا ہے لہٰذا ہر بندہ پھر جہاد کرتا ہے۔ جہاد کیا ہے؟ برائی کو روکنا نیکی کو بڑھانا۔

میں نے پچیس برس گزارے حضرت جیؒ کے ساتھ اور یہ میرے اللہ کا بڑا احسان ہے مجھ پہ، میں صرف شاگرد نہیں تھا میں حضرت کا خادمِ خاص تھا، سفر و حضر میں ساتھ، خاندانی گھریلو معاملات مجھ سے Share کرتے۔ حضرتؒ فرماتے، یار، یہ لمبے قد کے بندے بیوقوف ہوتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے! یہ لمبا بھی ہے عقلمند بھی ہے، تو مشورہ کرتے تھے میرے ساتھ، مجھے حضرتؒ کے خاندانی امور کا پتا ہے، گھریلو معاملات کا پتا ہے، ساری زندگی کا لحہ لحہ میری نظروں کے سامنے ہے۔ پچیس برس ربع صدی سفر و حضر میں، آزاد کشمیر تک، شمالی علاقہ جات گلگت وغیرہ تک، بلوچستان، کراچی، پنجاب سارا چپہ چپہ، حضرتؒ کے ساتھ ہی رہا۔ چپہ چپہ پھرے ہیں ربع صدی، بڑا عرصہ ہوتا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرتؒ کو میں سب سے زیادہ جانتا ہوں، چونکہ میں سفر و حضر کا بھی ساتھی تھا، خانگی امور کا مشورہ بھی مجھ سے فرماتے تھے۔ گھریلو معاملات، بچوں کے رشتوں تک مجھ سے مشورہ فرماتے تھے۔ دوستیاں دشمنیاں ناراضی۔ پھر میرے سامنے جماعت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا، پھر میں نے جماعت کو بنتے دیکھا، یہ سارا نظام، میں اس کا عینی شاہد ہوں، الحمدللہ! پچیس برس بڑا عرصہ ہوتا ہے۔۔۔ ربع صدی، ربع صدی وہ گزری تینتیس (33) برس ہو گئے حضرتؒ کے وصال کو، فروری 1984ء میں حضرتؒ کا وصال ہوا، 84 کا سال بھی چونتیس برس وہ ہو گئے، یہ انسٹھ برس بنتے ہیں، چھ دہائیاں۔ میں چھ دہائیوں سے حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جانتا ہوں، سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ جاننا ایک بات ہوتی ہے ماننا ایک بات ہوتی ہے۔ اللہ کو سب جانتے ہیں ماننے تھوڑے لوگ ہیں۔ میں حضرتؒ کو جانتا بھی ہوں، مانتا بھی ہوں، روزِ اوّل سے مانا الحمدللہ! آج تک مانتا ہوں۔ بڑی عجیب بات ہے، جاننا ایک بات ہے، ماننا اس سے اوپر ہے۔ پہچاننا اور بات ہے۔ لوگ اللہ کریم کو جانتے ہیں مانتے نہیں۔ کچھ مانتے بھی ہیں۔ جانتے بھی ہیں، مانتے بھی ہیں، پہچانتے نہیں۔ پہچاننے والا کوئی کوئی پیدا ہوتا ہے۔ مجھے بڑا زعم تھا میں اپنے شیخ کو بڑا جانتا ہوں۔ لیکن ساٹھ سال بعد، ساٹھ سال کا عرصہ لگا مجھے شیخ کو پہچاننے میں، اب جا کر میں اپنی حیثیت کے مطابق، اب جا کر میں شیخ کو تھوڑا سا پہچانتا بھی ہوں۔ جانتا پہلے دن سے ہوں، مانتا بھی پہلی ملاقات سے ہوں، ماننے کا حق ادا کر دیا میں نے، میں نے دنیا کے ہر کام پر شیخ کی خدمت کو ترجیح دی۔ میں نے سارے دنیا کے کام کئے، تجارت کی، بزنس کیا، پہلے دن سے زمینداری کی، کاشتکاری کی میں نے، آج تک کر رہا ہوں۔ بڑا پیسہ بھی کمایا اللہ

نے مجھے بڑی دولت دی ہے، مزدوری سے لے کر کاروبار میں، تجارت میں بڑا پیسہ کمایا لیکن مجھے کوئی کام نہ شیخ کے پاس جانے سے روک سکا، نہ شیخ کے پروگرام میں جانے سے روک سکا۔ جہاں حضرتؒ نے جانا ہوتا، سارے کام رہ جاتے میں ہمرکاب ہوتا۔ حضرت گھر میں جلوہ افروز ہوتے، میں جب فرصت ملتی فوراً ملنے جاتا، وہاں رہ کر آتا اور سارے دنیا کے کام میرے اوروں سے اچھے ہوتے رہے۔ اللہ کام کرنے والا ہوتا ہے۔ یہ بندے کی Priority یا بندے کا انتخاب ہوتا ہے کہ کس چیز کو مقدم رکھتا ہے۔ تو میں نے ہر چیز پر اپنے شیخ کی صحبت کو، خدمت کو، جانے کو مقدم رکھا لیکن مجھے پہچاننے میں ساٹھ برس لگ گئے، میں نہیں پہچان سکا۔ وہ مجھے اب پتا لگا میں سمجھتا تھا، پہچانتا ہوں لیکن نہیں، میں نہیں پہچانتا تھا۔

میرے بھائی یہ جو پانچ، سات، آٹھ دائرے ہیں ان میں بھی لوگ ملتے ہیں، پھر کچھ خال خال ہیں۔ لیکن جب بات پچاس پچپن کی آتی ہے تو فضا خالی ہوتی ہے۔ سب سے آخر میں دائرہ عبدیت ہے۔ میں ان کے نام نہیں گن رہا، اس لئے نہیں گن رہا کہ کوئی بھی نام سن کے کہہ سکتا ہے مجھے بھی حاصل ہیں۔ یہ دعویٰ کرنا تو آسان ہے لیکن وہاں کی کیفیات بتانا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ نام بھی نہیں آتے کسی کو اگر بتائے نہ جائیں۔ تو بہر حال 1963ء میں میں ڈھلوال پڑھاتا تھا تو میرے مراقبات فنا بقا پر تھے لیکن وہاں ساتھیوں کو ذکر کراتا تھا تو ساتھ درمیان میں قادیانیوں کا بڑا مرکز تھا۔ ایک قادیانی نے بھی دعویٰ کر دیا، یہ بات پھیل گئی کہ ذکر کراتے ہیں اور فنافی الرسول ہیں۔ اس نے کہا میں بھی فنا فی الرسول ہوں۔ اب کیسے پتا چلے کون سچا، کون جھوٹا؟ وہ بات میرے تک آئی تھی۔ اس نے دعویٰ ہی اس لیے کیا تھا۔ 63 کی بات ہے تو میں نے دوستوں سے کہا کہ یہ لکھو بیٹھ کر، ایک گڑھا کھودتے ہیں جو آٹھ دس فٹ لمبا چھ فٹ چوڑا اور چھ فٹ گہرا ہوگا۔ اس گڑھے کو اوپر تک لکڑیوں سے پُر کرتے ہیں۔ پھر اس کو آگ دکھاتے ہیں جب وہ ساری جل کر انگارہ بن جائیں تو جس کو فنافی الرسول کا دعویٰ ہے وہ اللہ کا نام لے کر اس میں سے گزرے۔ چھ فٹ گہرے انگارے ہوں گے، جھوٹا ہوگا تو چلا جائے گا نیچے اور قصہ ختم ہو جائے گا پھر اس کی خاک بھی نہیں ملے گی، سچا ہوگا تو پار چلا جائے گا۔ وہ ساتھیوں نے لکھا، میں نے اس پر دستخط کر دیئے کہ میں تیار ہوں، آجاؤ۔ پھر آج تک اس کا جواب نہیں آیا۔ یوں دعویٰ تو لوگ کر سکتے ہیں ناں، مجھے افسوس ہے وہ تحریر کہیں لائبریری میں گم ہوگئی۔ رکھی تو تھی مگر اب نہیں ملتی۔ مدت کی بات ہے، تب 1963ء تھا اب تو 2017ء آگیا۔ تو بہر حال میں نام ان کے اور وہ نہیں گن رہا۔ آخری دائرہ عبدیت ہے اور یہ دائرہ بھی ہے اور یہ منصب بھی ہے۔ یہ ہوتا ہے کہ ایک بندے کو وہاں تک رسائی ہو لیکن منصب نہ ہو۔ یہ بھی اللہ کی عطا ہے کہ وہاں تک رسائی بھی دی اور منصب بھی دیا۔ اس سے پھر آگے اگر اللہ توفیق دے تو اگلی کائنات اور عجیب تر ہے۔ اس کے اوپر ایک بڑا وسیع سمندر ہے جسے بحرِ حیات کہتے ہیں۔ لوگ دنیا میں آبِ حیات زمین پہ تلاش کرتے ہیں، بحرِ حیات وہاں ہے۔ اس کا پانی شفاف سفید بھی نہیں ہے سیاہ بھی نہیں ہے، تھوڑا سا سرمئی رنگ کا اور بڑا گہرا، گھنا ہے جیسے لئی سی ہوتی ہے۔ پورا سمندر اس طرح ہے۔ وہ بحرِ حیات ہے۔ جتنی توانائی کسی ذی روح کو ملتی ہے، نباتات کو ملتی ہے جمادات کو ملتی ہے، سورج چاند ستاروں کو ملتی ہے، جتنی طاقت ہاتھی میں ہے اور جس طاقت سے چیونٹی سفر کرتی ہے، یہ ساری وہاں تقسیم ہوتی ہے۔ ہر مخلوق کے ساتھ وہاں ایک تار جڑی ہوئی ہے، کس کو کتنی توانائی دینی ہے، یہ تقسیم اللہ کی ہے۔ لیکن چیونٹی ایک پاؤں ہلاتی ہے تو وہ ہلانے کی قوت وہاں سے، بحرِ حیات سے آتی ہے۔ لیکن یہ راز تب کھلتا ہے جب کسی کو اللہ وہاں پہنچا دے۔ یہ بحرِ حیات سے جب روح نکلتی ہے، نیچے سے جارہی ہوتی ہے آگے بحرِ حیات آگیا اسے عبور کر کے جب اوپر نکلتی ہے تو اور لطیف تر ہو جاتی ہے، اتنی لطیف ہو جاتی ہے کہ پھر دوسری روحیں بھی اسے نہیں دیکھ سکتیں۔ جیسے ہم مادی آنکھوں سے روح کو نہیں ناں دیکھ سکتے کیونکہ یہ جسمِ لطیف ہے۔ پھر وہ اتنی لطیف ہو جاتی ہے کہ عام روحیں بھی اسے نہیں دیکھ سکتیں۔ یہ کوئی اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں جنہیں اللہ پاک اپنے پاس سے عطا فرماتے ہیں۔ جب روح کو یہ لطافت نصیب ہوتی ہے تو عالمِ حقائق شروع ہو جاتا ہے، بات حقیقت پہ آجاتی ہے اور حقیقت پھر احدیت سے شروع ہوتی ہے۔ حقیقتِ احدیت سبحان اللہ! وہ کہاں سے احدیت، معیت، اقربیت چلی تھی، کہاں سے سالک المجذوبی پھر نو عرشوں کا فاصلہ بحرِ حیات سے آگے پھر حقیقت شروع ہو جاتی ہے۔ حقیقتِ احدیت، معیت،

اقربیت، فنابقا، سالک المجذ وبی پھر پہلا عرش حقیقتِ عرش دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم، ہفتم، ہشتم تو پھرو ہی دوائر عالم امر کے جو پہلے تھے پھر ان کی حقیقت شروع ہوجاتی ہے حقیقت دائرہ تقرب، توکل، تسلیم، رضا اس سے اوپر ہے حقیقتِ دائرہ خلہ۔عمریں تو اللہ نے لوگوں کو سو سو سال بھی دی ہیں اور اس سے زیادہ بھی دی ہیں۔عمر کی بات، عرصے کی بات نہیں ہے، اس کے کرم کی بات ہے۔مقامِ خلہ پہ جا کر برکات شیخ سے تھوڑا سا پردہ ہٹا اور شیخ کی پہچان ہوئی۔ساٹھ برس لگے۔جانتا بھی تھا، مانتا بھی تھا، وہ عالم بالا سے، جب منازل سے انوارات دائرہ خلہ پہ آئے، اس سے آگے حقیقتِ دائرہ محبت ہے، نیچے حقائق عرش کے پڑے ہیں۔ بڑے بڑے پہاڑ ہیں وہ انوارات جب آتے ہیں تو وہ بھی ان کے ساتھ حل ہو کر نیچے بارش کی طرح برسنا شروع ہوجاتے ہیں۔نیچے چلتے آتے ہیں، ان پچاس دائروں سے گزرتے ہیں پھر نیچے والے عرشوں سے گزرتے ہیں پھر عالمِ انسانیت پہ آکر برستے ہیں۔اور دو شعبے ہوجاتے ہیں، ایک عمومی بارش کا ہوتا ہے اور اس نے جل تھل کر دیا ہے، اس نے کوئی ٹیلہ ٹبہ نہیں چھوڑا، کوئی نشیب و فراز نہیں چھوڑا۔ لیکن مصیبت یہ بن گئی کہ جہاں دلوں کی کھیتیاں ہری ہوتی ہیں وہاں جھاڑ جھنکاڑ بھی ہوتے ہیں۔دیکھا آپ نے آج ان لوگوں میں، اِدھر اُدھر نظر دوڑائیں تو جہاں کہیں تھوڑا سا دین تھا وہاں طلب بڑھ گئی ہے۔ بیشار کافر بھی مسلمان ہو رہے ہیں، انقلاب آرہا ہے یورپ میں، برطانیہ میں، امریکہ میں، جدھر جاتے ہیں انقلاب آگیا لیکن برائی بھی بڑھ گئی ہے۔کیا پورے امریکہ میں یہ Trump ہی رہ گیا تھا صدر بننے کے لیے، کیا امریکہ میں کوئی عقلمند بندہ، کوئی پڑھا لکھا، کوئی دانشور کوئی نہیں؟ کیا ہندوستان میں مودی رہ گیا تھا وزیر اعظم بننے کے لئے؟ کیا برما میں وہ عورت ہی رہ گئی تھی جس نے لاکھوں کا خون کر دیا وزیر اعظم بننے کے لئے۔ جہاں نیکی کو نمو ل رہی ہے وہاں برائی جھاڑ جھنکاڑ بھی بڑھ گیا ہے۔ جہاں بیشار لوگ کفر سے اسلام کی طرف آرہے ہیں وہاں بیشار بدبخت برائی میں بھی آگے جا رہے ہیں۔میاں تھوڑا سا پتا چلا کہ شیخ ہوتا کیا ہے، اس کی شان کیا ہوتی ہے، اس کی عظمت کیا ہوتی ہے۔اگر یہ عظمت ایک شیخ کی ہے تو صحابہؓ کی کیا ہوگی جنہیں صحبت رسول ﷺ ملی۔اسی لیے تو دنیا مسلمان ہوئی تھی، اسی لیے تو صحرائے عرب کے چند دیوانوں نے روئے زمین پر اسلام پھیلا دیا۔اور پھر عظمتِ رسالت ﷺ کیا ہوگی، اگر یہ خدامِ رسالت کا عالم ہے تو پھر منصبِ رسالت کیا ہوگا، اللہ پہچان دے تو بات بنے۔میاں جاننا ایک بات ہے، ماننا ایک اور بات ہے، پہچاننا بہت مشکل ہے۔وہ اللہ فرماتے ہیں ناں۔وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (سورۃ الزاریات: 56) مفسرین نیچے لکھتے ہیں اِلَّا لِیَعرِفُوْنَ کہ مجھے پہچانیں۔مخلوق اس لیے پیدا کی ہے کہ مجھے پہچانے، پہچاننا ہی تو مشکل ہے جو مقصدِ حیات ہے، مقصدِ تخلیق ہے۔اور شیخ نہیں پہچانا جاتا تو اللہ کو کون پہچانے گا۔اپنے عہد کے شیخ کو پہچاننا کتنا مشکل ہے۔کتنے ساتھی گزر گئے دنیا سے، مانتے بھی تھے، اتباع بھی کرتے تھے، مراقبات بھی کئے، عاقبت بالخیر بھی ہوئی لیکن مزہ تو نہ آیا ناں، پہچان تو نہ ہو سکی۔ہم بھی گزر جاتے تو پہچان تو نہ ہوتی۔تو اللہ نے اتنی فرصت دی اور اس نے مہربانی کی، تھوڑا سا پردہ رخِ یار سے ہٹا دیا، تھوڑا سا شیخ کی ذات کو منکشف کر دیا۔کچھ اپنی حیثیت کے مطابق پتا چلا کہ شیخ کیا ہوتا ہے، اس کا مقام و مرتبہ کیا ہوتا ہے۔

لیکن انسان عجیب ہے یار، بڑی عجیب مخلوق ہے اللہ کی، یہ بڑا سستا بک جاتا ہے۔اللہ، اللہ، اللہ۔اس کا نفس شیطان کے کہے پر جب چلتا ہے، سب سے بدنصیب لوگ پتا ہے دنیا میں کون ہیں؟ کافر بھی بدنصیب ہے، گنہگار بھی اس سے کم لیکن بدنصیب ہے، لیکن سب سے بڑا بدنصیب، کون ہے جسے شیخ کامل نصیب ہو اور پھر وہ اللہ اللہ سیکھ کر اپنی بڑائی میں مبتلا ہوجائے اور اس چیز کو اپنی بڑائی کا یا دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لے اور یہ سمجھ لے کہ اب لوگ میرے ہاتھ پاؤں کو بوسے دیں اور لوگ مجھے روپے دیں اور لوگ میری مدد کریں۔اس نے کتنی قیمتی چیز کو کتنا سستا بیچ دیا، اس نے تو جواہرات دے کر مٹھی بھر خاک خرید لی۔جنہوں نے نہیں پائی بدنصیبی ان کی بھی ہے لیکن جس نے پائی اور دنیا کے عوض بیچ دی، یار اس سے بڑا کوئی بدنصیب ہے؟ تو میرے بھائی اس لحاظ سے بھی اپنا دھیان رکھو، آپ نے معرفتِ حق کو پانا ہے۔وہ معرفتِ حق، ہمیں شیخ کی معرفت نصیب نہیں، اس سے اوپر اللہ کے بندے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ کریم ہے، معرفتِ رسالت کا کوئی شمہ کوئی جھلک نصیب ہو تو وہ معرفتِ حق تک لے کر جائیں اور معرفتِ حق مقصدِ

تخلیق ہے۔ لیکن الحمدللہ! اس رب کریم کا احسان ہے۔ ہر بندے کو اتنا ہی نظر آتا ہے نا جتنی اس کی بینائی ہے۔ ہماری جتنی جرأت ہے ہمیں اتنی ہی پہچان ہوتی ہے، کماحقہ، تو ہم پہچان نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ اس کا احسان ہے کہ تھوڑی سہی لیکن شیخ کی پہچان تو دی مگر اس میں ساٹھ سال لگ گئے اور الحمدللہ! ساٹھ سال مجاہدے سے مزین، اس کی توفیق سے رات دن محنت کی، تلاوت، عبادت اور ذکر بڑا مسلسل، بڑی باقاعدگی سے، بڑی قوت سے، بڑے خلوص سے الحمدللہ! پھر بھی ہمیں تو ساٹھ برس لگ گئے۔ اب آپ کا مجھے نہیں پتا آپ کے پاس کس کی کتنی پہچان ہے۔ ہر بندے کا حال یا وہ خود جانے یا اس کا مالک جانے۔ بندہ خود بھی نہیں سارا جانتا جتنا اللہ جنوا دے۔ باقی سب اللہ کریم جانتے ہیں تو یہ بڑی لمبی حکایت ہے۔ میرا خیال ہے اگر ہم لگے رہیں تو یہ تو ختم نہیں ہوگی۔

زندگی کے دو زاویئے، دو پہلو، روشن اور تاریک میں نے آپ کے سامنے رکھ دیئے، اللہ کریم نے رکھ دیئے، قرآن نے بیان کر دیئے۔ ایک طرف نور ہی نور ہے، نصیب ہو جائے تو حجابات ہٹتے جاتے ہیں، یہاں بیٹھے قیامت کا منظر نظر آ سکتا ہے۔ حقیقتیں واضح ہو جاتی ہیں، عمل کے نتائج سامنے آ سکتے ہیں۔ اور کوئی ڈوب جائے تو وہ غرق ہوتا چلا جاتا ہے، اندھیروں پہ اندھیرے چھاتے چلے جاتے ہیں۔ میری گزارش یہ ہے کہ تاریکیوں سے خود بھی بچو اور محنت کرو، اپنی اولاد کو بچالو، چھین لو زمانے سے اولاد کو۔ یہ حکمران دین کا نام نہیں لیتے، یہ حکومتیں دین کا نام نہیں لیتیں، یہ حکمرانوں نے سارا نظام وہی نافذ کر رکھا ہے جو انگریز کا تھا۔ پاکستان مسلمانوں کی ریاست ہے اسلامی ریاست نہیں ہے۔ مسلمانوں کی ریاست ہے اسلامی نہیں ہے، اسلام کا اس سے تعلق نہیں ہے اور یہ دارالحرب ہے۔ جب انگریزوں نے مسلمان حکمرانوں کا بنایا ہوا اسلامی نظام ختم کر کے انگریزی نظام نافذ کیا تھا تو علمائے حق نے برصغیر کو دارالحرب قرار دیا تھا۔ انگریز تو چلے گئے لیکن وہ نظام جس کے باعث برصغیر دارالحرب تھا وہ تو وہیں ہے۔ پاکستان بن گیا لیکن یہ دارالاسلام نہیں بن سکا۔ دارالاسلام نہیں ہے دارالحرب ہے۔ کفر اور اسلام، نیکی اور بدی، نور اور ظلمت میں جنگ جاری ہے۔ سوچ لو آپ نے کس کی حمایت کرنی ہے؟ آج ایسا دور آگیا ہے کہ ہم چاہیں بھی تو ہمیں بازار سے بچوں کے وہ کپڑے نہیں ملتے جو ہماری تہذیب ہے، انگریزی ہی ملتے ہیں۔ ہم چاہیں بھی تو ہمارے بچوں کے کپڑوں پہ کارٹون بنے ہوتے ہیں، ہم چاہیں بھی تو اور کوئی ملتا ہی نہیں۔ بازار میں بھی بے حیائی ہے، ہمارے گھروں میں رات دن ٹی وی میں بھی بے حیائی ہے، عورتوں کا ناچ اور ننگا ناچ اور گانے بجانے۔ بھئی کمال بات ہے میں حیران ہوتا ہوں، علماء کو کیا ہو گیا ہے؟ حکمرانوں کا ایک فلسفہ ہے، خوب بات سمجھ لو، وہ کہتے ہیں ہم جو طبقہ حکمران ہیں ہم ایلیٹ کلاس ہیں، بہت اچھے لوگ ہیں۔ ہم ایسے ہیں جیسے باغ میں پھلدار درخت ہوتے ہیں، Fruit tree ہوتے ہیں، یہ جو عوام ہے، یہ گھاس پھوس ہے، یہ باغوں میں اُگ جاتی ہے تو پھر پھلدار درخت بھی پھل نہیں دیتے لہٰذا اس گھاس کو کاٹنا چاہئے۔ ان پر خاندانی منصوبہ بندی لگاؤ۔ یہ ایک حد تک رہیں، ہماری خدمت کرتے رہیں۔ یہ زیادہ ہو گئے تو ہمیں لے ڈوبیں گے۔ انہوں نے خاندانی منصوبہ بندی بنالی۔ اللہ بے نیاز ہے، بنائی غریبوں کے لیے، اختیار ان کی اپنی عورتوں نے کر لی۔ اب ان کی بیویاں بچے جننے سے گریز کرتی ہیں۔ بنائی انہوں نے ہمارے لیے تھی کہ ان کے بچے کم ہوں۔ غریبوں کے پھر بارہ بارہ بچے ہیں، ان کی اپنی بیویاں بچے جنتی نہیں، جنیں تو انہیں دودھ نہیں پلاتیں۔ تو نیم مردہ، نیم زندہ سا ہوتا ہے۔ وہ تو اللہ کا نظام ہے وہ الگ بات ہے۔ لیکن ہمیں گھاس پھوس سمجھ کر ہماری تعلیم کا انتظام نہیں کرتے۔ یہی اسکول تھے کوئی پرائیویٹ انگریزی اسکول، انگریزوں کے زمانے میں کوئی پرائیویٹ اسکول نہیں ہوتا تھا، وہی اسکول بچوں کو پڑھاتے تھے۔ اب ان اسکولوں نے کام چھوڑ دیا تو گاؤں دیہات میں بھی پرائیویٹ اسکول بن گئے۔ کیونکہ سرکاری اسکول، یہ سرکاری اسکول کام کیوں نہیں کرتے؟ حکمران نہیں چاہتے کہ یہ کام کریں۔ عام آدمی کا بچہ پڑھ جائے، یہ گھاس پھوس ہیں اسے کاٹنا چاہئے اسے بڑھنے نہ دو، بڑھ کے، پڑھ گیا، Ph.D. کر گیا تو ہماری ٹائی کو ہاتھ ڈالے گا، وہ بھی ہمارے اوپر آ جائے گا۔ اوپر فیلڈ خالی ہے، انہی کے بچے لائق ہوں یا نالائق ہوں، برطانیہ چلے جائیں گے امریکہ چلے جائیں گے، جہاز پہ آئیں گے، اسلام آباد لینڈ کر کے منسٹر بن جائیں گے۔ غریب پڑھا نہیں سکتا، جو پڑھانا چاہتا ہے، بچے پڑھتے نہیں ہیں، یہ بدبختی ہے۔ غریب کا بچہ پڑھتا ہی نہیں ہے۔ فحاشی بڑھ گئی ہے، گھروں میں گھس گئی ہے، پہلے ٹیلیویژن پہ تھی، پھر بھی بڑا ظلم تھا لیکن کچھ بچت تھی، اب وہ ہر موبائل میں آ گئی ہے۔ ہر بچے کے پاس موبائل ہے۔ پہلے ایک زمانہ تھا، بڑے کم

تھے ٹیلیفون بھی۔ تو وہ ڈائل کرتے تھے ہم گرگرگرگرڑ، تو کہتے تھے بچوں نے ٹیلیفون خراب کر دیا۔ وہ زمانہ گیا، اب کہتے ہیں ٹیلیفون نے بچے خراب کر دیئے ہیں، اب یہ زمانہ آگیا ہے کہ اب ٹیلیفون نے بچے خراب کر دیئے۔ ہر بچے کی جیب میں موبائل ہے، ہر فحاشی اس پہ آ رہی ہے۔ بدکاری کی زندہ چلتی ہوئی تصویریں دکھائی جا رہی ہیں بچے کو۔ اور میں حیران ہوں بڑا تیل لگا کے، کنگھی پھیر کے، ٹوپی پہن کے اشتہار میں آجاتے ہیں۔ "اللہ کریم نے حکم دیا ہے بچے تھوڑے پیدا کرو۔" خدا کے بندو تم تو حکم سنا کے چلے گئے، یہ بھی دیکھا بعد میں آگے اشتہار میں کیسے استعمال کرتے ہیں؟ یہ ہر مولوی صرف بچے روکنے پر آگیا ہے، کمال ہوگئی۔ مجھے حیرت ہوتی ہے علماء سے، چند روپے تو آپ کو مل گئے، آپ نے تو قرآن کا یا حدیث کا ترجمہ کیا لیکن جنہوں نے آپ سے کرایا، انہوں نے آپ کی بات کو آگے کس طرح استعمال کیا، ذرا یہ بھی دیکھو۔ یہ خاندانی منصوبہ بندی علماء کا کون سا مسئلہ ہے؟ ان کا کیا کام تھا؟ نبی کریم ﷺ تو فرماتے ہیں میں اُمت کی کثرت پر قیامت کو فخر کروں گا، تمام نبیوں سے میری امت زیادہ ہوگی۔ یہ ہم کیوں کرتے ہیں؟ اللہ فرماتا ہے جسے میں پیدا کرتا ہوں اس کی روزی کا میں ذمہ دار ہوں۔ رزق کے ڈر سے بچوں کو نہ روکو، قتل نہ کرو۔ یہ بھی تو قتل ہے، کسی کو پیدا ہونے سے پہلے مار دینا قتل نہیں ہے؟ ہاں منصوبہ بندی کی اجازت اسلام میں بھی ہے۔ خاتون کی صحت اجازت نہ دیتی ہو، بچے چھوٹے ہوں تو ایسے ذرائع استعمال کئے جائیں جو وقتی طور پر وقفہ ڈالنے کا سبب بنیں، عورت کو یا مرد کو ہمیشہ کے لیے ناکارہ نہ کر دے، ایسا آپریشن نہ کرایا جائے۔ تو وہ تو عام اجازت ہے، اسلام میں بھی ہے، بھئی اس کے اشتہار بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن میں دیکھتا ہوں علماء بھی کنگھی وغیرہ کر کے بیٹھے ہیں۔ "یہ اسلام کی خدمت نہیں ہے زیادہ بچے پیدا کرو۔" تو یہ کون سی خدمت ہے کم پیدا کرو؟ یہ کس نے کہا ہے؟ حد ہوگئی ہے۔ اور علماء یہ نہیں سوچتے کہ آپ نے تو آیت نمبر 142 کا ترجمہ کر دیا۔ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" ایسی بے تکلفی سے کہتے ہیں جیسے پڑوسیوں کا منڈا ہو، کوئی ادب احترام لحاظ نہیں کرتے۔ عربی میں واحد کا صیغہ استعمال ہوتا ہے لیکن اردو میں احترام کے لیے جمع کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ رب کریم فرماتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" اللہ تعالیٰ کوئی آپ کے پڑوس میں رہتا ہے آپ جیسا، عجیب حالت ہے۔ علماء بھی ادھر ہی لگ گئے یا سیاست زیر بحث ہوتی ہے، کسی کو بڑھاتے رہتے ہیں۔ کچھ علماء نے زکوٰۃ صدقات جمع کر کے سیاست ہی شروع کر دی۔ اب وہ حق وانصاف کی بات کرتے نہیں۔ یار یہ کون سا انصاف ہے کہ زکوٰۃ پر سیاست کی جائے؟ قربانی کے جانوروں کے چمڑوں کو سیاست پر خرچ کرنے کا جوازِ شرعی کون سا ہے؟ آپ کی اپنی بنیاد ہی غلط ہے تو آپ کسی کو کیا انصاف کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ چمڑے قربانی کے اور زکوٰۃ یہ غریبوں کا حق ہے یا سیاست کرنی چاہیے؟ قرآن میں جو اس کے مستحقین ہیں ان میں سیاستدان تو کوئی نہیں۔ تو بہر حال اللہ کی مرضی، یہ بھی حالات ہم نے دیکھنے تھے۔

لیکن یہ بھی ہے کہ انوارات کی بھی بڑی بہار ہے اور بڑے دور سے آ رہے ہیں۔ اور بیشمار آ رہے ہیں، اب یہ ہماری ہمت ہے کہ نور کو دلوں میں سمیٹیں اور اس سے جو جھاڑ جھنکاڑ اس بارش سے اُگ رہے ہیں اس کو روکیں۔ ساری عمر ہم اپنے آپ کو صحیح نہ کر سکے تو ہم اپنے اردگرد کو صحیح کیسے کریں گے، ماحول کو درست کون کرے گا؟ جب ہم خود کو نہ سنبھال سکے، تو میرے بھائی، میری گزارش یہ ہے کہ بڑی موج ہے، رحمتِ الٰہی کے بے پناہ دریائے کرم آ رہے ہیں، بڑے دور کے انوارات برس رہے ہیں، بڑی روشنی ہے، بڑی گرمی ہے، ان کو دلوں میں بھرو، محنت کرو یار، ہمت کرو دلوں کو چمکاؤ ذکرِ الٰہی سے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے لكل شيء صقالة وصقالة القلوب ذكر الله او كما قال رسول الله ﷺ (البیہقی) ہر چیز کی پالش ہوتی ہے دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے۔ چمکاؤ، اسے صاف کرو، سمیٹو انوارات۔ اور کم از کم اپنے اردگرد سے، اپنے ماحول سے، اپنے گھر سے اپنے بہن بھائیوں سے، اڑوس پڑوس سے تو جھاڑ جھنکاڑ مٹانے کی کوشش کرو۔ نیکی گھر سے شروع کرو۔ اپنا ماحول پاک کرو، اپنا کردار درست کرو، اپنی اولاد کو صحیح، اپنی اولاد کو دین بتاؤ۔ یہ دین ہے، یہ حکومت نہیں بتائے گی، یہ نصاب نہیں بتائے گا، یہ ماحول نہیں بتائے گا۔ یہ انہیں امریکہ اور اٹلی کے ڈرامے ہی دکھائے گا۔ خود ہمت کرو، بچوں کو بھی دین بتاؤ، حلال کماؤ تھوڑا کھالو، طیب کھاؤ، کردار کی اصلاح کرو، ماحول کی اصلاح کا سبب بن جاؤ، اللہ کریم آپ سب کو توفیق بھی دے، حاضر و غائب تمام ساتھیوں کے قلوب کو روشن کرے۔

سورۃ العنکبوت

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر
الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

مجاہدہ کا شرائط وصول سے ہونا:

قولہ تعالیٰ: اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ (العنکبوت:2)

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔

''اس میں دلالت ہے کہ مجاہدہ وصول الی المقصود کی شرائط (عادیہ) میں سے ہے گو اضطراری ہی ہو۔''

سورہ عنکبوت شروع ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے کہ لوگوں نے یہ سوچ رکھا ہے کہ یہ کہنے پر کہ ہم ایمان لے آئے تو نجات کے لئے یہ کافی ہے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔ یہ خیال درست نہیں، کہنے کے ساتھ عمل جو ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ شرائط عادیہ میں سے ہے۔ یعنی یہ ایسی شرطیں ہیں جو خاص کر کے بتانا نہیں پڑتیں بلکہ اس کے ساتھ لازم ہوتی ہیں، عادتاً لازم ہوتی ہیں۔ تو فرماتے ہیں مجاہدہ وصول الی المقصود کی شرائط عادیہ میں سے ہے، محنت کرنا مجاہدہ کرنا، اعمال میں خلوص ہونا، عبادات معاملات میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا خیال رکھنا۔ یہ سب اس کی شرائط عادیہ یعنی جو عادتاً شرط ہوتی ہے وہ ہیں، اور مجاہدہ خواہ اضطراری ہو یعنی مجبوراً بھی کرنا پڑے تو وہ بھی فائدہ دے جاتا ہے۔ مجاہدہ اضطراری ہوتا ہے جیسے کوئی مشکل آگئی، بیماری آگئی تو نیک لوگوں پہ جب اس طرح کی کوئی تنگی آتی ہے تو ان کیلئے کم از کم تلافی مافات ہو جاتی ہے، تو مومن پہ جب یہ آگئی تو جو کمی رہ گئی وہ پوری ہو جاتی ہے۔ نیک لوگوں پر جو آتی ہے وہ ترقی درجات کا سبب بن جاتی ہے۔

مجاہدہ میں عجب کا استیصال:

قولہ تعالیٰ: وَ مَنۡ جَاہَدَ فَاِنَّمَا یُجَاہِدُ لِنَفۡسِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ (العنکبوت:6)

ترجمہ: اور جو شخص محنت کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جہان والوں میں کسی کی حاجت نہیں۔

''اس میں مجاہدہ کے بعد عُجب و دعویٰ استحقاق کا قلع ہے۔''

فرماتے ہیں اس آیہ کریمہ میں ہے کہ جو محنت و مجاہدہ کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے۔ اللہ کسی کے مجاہدہ، کسی کے نوافل، کسی کے اذکار کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ کو ضرورت نہیں ہے خود بندے کو ضرورت ہے، اپنے لئے محنت کرتا ہے۔ فرماتے ہیں اس میں مجاہدے کرنے کے بعد یہ سمجھنا کہ میرا اب حق ہے، مجھے فلاں مرتبہ ملنا چاہیے اس کا ردّ ہے اور مجاہدے پر فخر کرنے کا بھی اس آیہ کریمہ میں ردّ ہے۔ مجاہدہ کر کے فخر نہ کرے، اللہ کا شکر کرے کہ اس نے توفیق عمل دی۔ اور اس سے مراد مراقبات یا مقامات از قسم ثمرات ہوتے ہیں اور ثمرات من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ ثمرات وہبی ہوتے ہیں۔ مجاہدہ بندہ کر سکتا ہے لیکن اس پر پھل لانا یہ بندے کے اختیار میں نہیں یہ اللہ کے دست قدرت میں ہوتا ہے۔

کسی کا گناہ اپنے ذمہ لینے کا ابطال:

قولہ تعالیٰ: وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوۡا سَبِیۡلَنَا وَ لۡنَحۡمِلۡ خَطٰیٰکُمۡ ؕ وَ مَا ہُمۡ بِحٰمِلِیۡنَ مِنۡ خَطٰیٰہُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ (العنکبوت:12)

ترجمہ: اور کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم ہماری راہ چلو اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ، حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے۔

"اس میں اس قول کی نفی ہے جو بعض مدعیان طریقت اہل ضلالت میں سے اپنے متبعین اپنا گروہ بڑھانے کے لئے کہا کرتے ہیں۔(کہ تم ہمارے طریق میں آجاؤ اگر کوئی گناہ ہو تو ہمارے ذمہ)"

سیاحت کی اصل اور اس کے منافع:

قولہ تعالیٰ: قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ (العنکبوت:20)

ترجمہ: آپ کہیے کہ تم لوگ ملک میں چلو، پھرو اور دیکھو خدا تعالیٰ نے مخلوق کو کس طور پر اول بار پیدا کیا ہے۔

"اس میں اصل ہے اس کی کہ بعض اہل طریق زمین میں سیاحی کرتے ہیں تاکہ ان کے احوال کے تتبع سے عبرت حاصل کریں اور اس میں ان کی اور بھی مصلحتیں ہوتی ہیں جیسے خلق سے تعلقات کی تقلیل اور خمول اور غربت اور اسباب معاصی کا فقدان۔"

فرماتے ہیں اکثر صوفی بھی سیاحت میں نکل جاتے ہیں۔ آیہ کریمہ کا مقصد تو یہ ہے کہ لوگ زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ کتنی مخلوق ہے جو کبھی تھی ہی نہیں تو اللہ کریم نے عدم سے اسے وجود دے دیا اور اس سے آگے نسل چلانے کا انتظام کر دیا۔ گھاس کے تنکے سے لے کر بڑے بڑے درختوں تک، درندے حیوان پرندے انسان سب کو عدم سے وجود دیا اور کس طرح وہ آگے پھل پھول رہے ہیں اور ایسا انتظام ان کی زندگی کا کر دیا تو یہ عظمت الٰہی پہ دال ہے کہ دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے کوئی مشکل نہیں۔ تو فرماتے ہیں بعض صوفی بھی گھر بار چھوڑ کر سیاحت پہ نکل جاتے ہیں اور اس میں دو چیزیں مطلوب ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ چیزوں کو، لوگوں کو، حالات کو دیکھ کر عظمت الٰہی حاصل کریں اور عظمت الٰہی کا اور زیادہ احساس جو ہے وہ مضبوط ہو۔ دوسرے یہ ہوتا ہے کہ سفر میں اور مسافرت میں، غریب الوطنی میں کچھ لوگوں سے واقفیت کم ہوتی ہے اور زیادہ باتیں نہیں ہوتیں، وقت ضائع نہیں ہوتا اور گناہ کے مواقع بھی کم ہوتے ہیں۔ تو غریب الوطنی میں، مسافرت میں گناہ سے بچنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

جو دوستی مضر دین ہو اس کے قطع کا وجوب:

قولہ تعالیٰ: وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَیْنِكُمْ (العنکبوت:25)

ترجمہ: اور فرمایا کہ تم نے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود تجویز کر رکھا ہے پس یہ تمہاری باہمی (دنیا کے) تعلقات کی وجہ سے ہے۔

"اس میں دلالت ہے کہ جس اتفاق و اتحاد میں فساد دین ہو اس کا ترک واجب ہے۔"

فرماتے ہیں یوں تو اتفاق اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اتفاق ہونا چاہیے۔ لیکن ایسا اتفاق جس میں دین کے خلاف کوئی بات ہو، دین کے نقصان کا اندیشہ ہو اس سے بچنا واجب ہے۔ اور یہ کفار سے کہا گیا کہ تم نے آپس کی محبت اور آپس کے اتفاق کی وجہ سے مل جل کر بتوں کی پوجا پر اتفاق کر لیا ہے، تو برائی پر جو اتفاق ہو جاتے ہیں اس سے بچنا واجب ہے۔

نعم دنیویہ کا نعم اخرویہ سے مزاحم نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ (العنکبوت:27)

ترجمہ: اور ہم نے ان کا صلہ ان کو دنیا میں بھی دیا اور وہ آخرت میں بھی نیک بندوں میں ہوں گے۔

"اس میں دلالت ہے کہ دنیوی نعمتوں کا عطا ہونا جیسا بعض اہل اللہ کو عطا ہوتی ہیں، آخرت میں اس کے رتبہ کو نہیں گھٹاتا۔"

یعنی بعض اللہ کے بندوں کو اللہ دنیا میں بھی عزت دے دیتا ہے، عظمت دے دیتا ہے اور پھر وہ دنیوی نعمت ان کے آخرت کے رتبے کو کم نہیں کرتی، ان کا مقام باطنی یا اخروی محفوظ رہتا ہے۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ بہت بڑی سلطنت بھی تھی لیکن عظمت نبوت اس سے کم نہیں ہوتی۔ صحابہ کرام میں حضرت عثمانؓ جیسے کئی اکابر صحابہؓ امیر تھے۔ جب فتوحات آئیں عہد فاروقی میں تو تمام صحابہؓ بہت امیر ہو گئے تھے، دنیوی نعمتیں بیشمار آ گئی تھیں تو اس سے ان کے اخروی مرتبے میں کوئی کمی نہیں آتی، تو اللہ کریم فرماتے ہیں ہم دنیا میں بھی ان کو ان کا انعام دیتے ہیں اور آخرت میں بھی وہ نیک بندوں میں، صالحین میں ہوں گے۔

مخالفین حق پر بددعا کرنا کمال اخلاق کے خلاف نہیں:

قولہ تعالیٰ: قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ (العنکبوت:30)

ترجمہ: لوط علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو ان مفسد لوگوں پر غالب کر دے۔

"اعداء دین پر بددعا کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ یہ کمال اخلاق مثل حلم وکرم کے منافی نہیں۔"

فرماتے ہیں جیسے لوط علیہ السلام نے ان بدکاروں پر غالب آنے کی دعا کی تھی، فرماتے ہیں اسی طرح جو دین کے دشمن ہیں ان پر بددعا کرنے کا جواز ہے۔ اسی طرح نوح علیہ السلام نے کی تھی، موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی۔

اہل اللہ کی برکت کا نزول بلاء سے مانع ہونا:

قولہ تعالیٰ: قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۚ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ (العنکبوت:32)

ترجمہ: ابراہیمؑ نے فرمایا کہ وہاں تو لوطؑ ہیں، فرشتوں نے کہا کہ جو جو وہاں ہیں ہم کو سب معلوم ہیں۔ ہم ان کو اوران کے خاص متعلقین کو بچالیں گے۔

"اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل اللہ کا کسی مجمع میں ہونا ان پر عقوبت نازل ہونے سے مانع ہوتا ہے اور اہل اللہ کا ان میں سے جدا ہو جانا اس مانع کا ارتفاع ہے اور یہ اقتضاء اس کا فی نفسہ ہے گو کسی عارض سے مختلف ہو جاوے۔"

فرماتے ہیں کہ جب فرشتے لوطؑ کی قوم کو تباہ کرنے کے ارادے سے حاضر ہوئے، پہلے ابراہیمؑ کے پاس آئے تو انہوں نے آنے کا سبب پوچھا تو فرشتوں نے بتایا کہ ہم قوم لوط پر عذاب نازل کرنے جا رہے ہیں تو انہوں نے بیتابی سے فرمایا کہ وہاں تو لوطؑ بھی ہیں۔ تو انہوں نے کہا ہمیں پتہ ہے کہ وہاں کون کون ہے اور ہم لوطؑ کو اوران کے متبعین کو بچالیں گے، ہمیں اس کا حکم ہے۔ وہ عذاب سے بچ جائیں گے، باقی لوگوں پر آئے گا۔ تو اس پر مولانا فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے بندے کسی مجمع میں ہوں تو ان پر مصیبت نازل نہیں ہوتی۔ مصیبت کے نازل ہونے کا بچاؤ ہو جاتا ہے اور اہل اللہ کا ان سے جدا ہو جانا اس چیز کو الگ کر دیتا ہے۔ وہ الگ ہو جائیں تو ان پر مصیبت آسکتی ہے۔ اگر کسی خاص وجہ سے اس کے خلاف بھی ہو جائے تو اللہ قادر ہے۔ لیکن عمومی قانون جو ہے وہ یہ ہے۔

امور طبعیہ کمال کے منافی نہیں:

قولہ تعالیٰ: وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا (العنکبوت:33)

ترجمہ: اور جب ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوطؑ ان کی وجہ سے مغموم ہوئے اور ان کے سبب تنگ دل ہوئے۔

"اس سے ثابت ہوا کہ طبعی غم اور ضیق کمال کے منافی نہیں جبکہ ان کے مقتضائے غیر مشروع پر عمل نہ کیا جاوے۔"

فرماتے ہیں لوط علیہ السلام کے پاس جب وہ فرشتے پہنچے تو وہ نوعمر لڑکوں کی شکل میں تھے، تو اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں کہ انبیاء کو علوم غیبیہ پر مطلع فرمایا جاتا ہے لیکن اگر کسی بات کو اللہ کریم صیغہ راز میں رکھنا چاہیں تو وہ نبیؑ سے بھی رکھ لیتے ہیں۔ علمِ غیب خاصہ خداوندی ہے۔ لوطؑ اللہ کے نبی ہیں۔ فرشتے آئے تو انہیں سمجھ نہیں آئی کہ یہ فرشتے ہیں، انہوں نے یہی سمجھا کہ نوجوان لڑکے ہیں۔ اسی طرح ابراہیم خلیل اللہ تھے، پہلے ان کے پاس آئے تو وہ ایک سالم بچھڑا تل کے لے آئے کہ مہمان آگئے ہیں اور جب دیکھا کہ مہمان تو کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا رہے تو عرب میں رواج تھا کہ دشمن کے ہاں سے کھاتے نہیں تھے اور جس کے ہاں سے کھالیتے تھے اس کے ساتھ دشمنی نہیں کرتے تھے۔ تو کسی مہمان کا کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھانا اس بات کی دلیل ہوتا تھا کہ یہ برے ارادے سے آیا ہے، یہ لڑائی کرے گا تو ابراہیمؑ ڈر گئے کہ یہ کون ہیں، انجان لوگ کون ہیں؟ اور ان کو میرے ساتھ کیا دشمنی ہے؟ تو تب انہوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم اللہ کے فرشتے ہیں، انسان نہیں ہیں اس لئے کھانا نہیں کھا رہے اور آپ کے پاس آپ کو بیٹے کی بشارت دینے کے لئے آئے ہیں۔ تو انہیں بھی سمجھ نہیں آئی کہ یہ فرشتے ہیں حالانکہ خلیل اللہ تھے۔ تو علم غیب خاصہ الٰہی ہے۔ اللہ کریم جانتے ہیں اور انبیاءؑ کو جو بات اللہ کریم بتا دیں وہ غیب پر اطلاع ہوتی ہے۔ اصل میں تمام علوم انبیاءؑ کو دیئے جاتے ہیں اور انبیاءؑ انہیں آگے تقسیم کرتے ہیں لیکن یہ سب اطلاع عن الغیب ہوتا ہے۔ جو اللہ اطلاع فرما دے وہ ہوتا

ہے۔ اللہ خود غیب کو جانتے ہیں۔ تو یہاں لوطؑ کو بھی سمجھ نہیں آئی اور وہ بڑے تنگ دل ہوئے اور مغموم ہوئے کہ یہ میرے ہاں مہمان آئے ہیں اور یہ قوم انہیں رسوا کرے گی۔ تب فرشتوں نے انہیں بتایا کہ آپ پریشان نہ ہوں، ہم اللہ کے فرشتے ہیں اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے۔ آپ اپنے جو متبعین ہیں ان کو لے کر سحری کے وقت نکل جائیں تو پیچھے ہم ان کو تباہ کر دیں گے۔ دوسری بات فرماتے ہیں کہ کاملین پر بھی طبعی دکھ اور رنج واقع ہوتا ہے اور یہ کمال کے منافی نہیں۔ جیسے انبیاء پر ہوا تو اگر جو طبعی رنج یا دکھ ہوتا ہے اس سے کوئی اللہ کی ناشکری نہ کی جائے، اس کے مقتضاء پہ عمل نہ کیا جائے، جزع وفزع کوئی کرتا ہے تو اللہ کی شکایت نہ کرے، اللہ کا شکر ادا کرے، شور شرابہ نہ کرے۔ کسی حادثے پر دل میں دکھ کا احساس ہونا غم کا ہونا یہ کمال کے منافی نہیں۔

اہل اللہ سے قرابت محضہ کا نافع نہ ہونا:

قولہٗ تعالیٰ: اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ (العنکبوت:33)

ترجمہ: بجز آپؑ کی بی بی کے وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی۔

''اس میں دلالت ہے کہ مقبولین کے ساتھ محض قرابت کا تعلق بدون ایمان کے نافع نہیں۔''

لوطؑ کو بتایا گیا ہے کہ آپ کے تمام متبعین کو اللہ بچا لیں گے سوائے آپ کی اہلیہ کے کہ وہ کافروں کے ساتھ عذاب میں ہلاک ہو جائے گی۔ تو فرماتے ہیں میاں بیوی کا رشتہ بہت قرب کا ہوتا ہے۔ ماں باپ بہن بھائی سے زیادہ ایک دوسرے کے احوالِ دل سے واقف ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کی تمام نیکی بدی سے واقف ہوتے ہیں اور قریبی رشتہ ہوتا ہے۔ تو اتنا قریبی رشتہ بھی نبیؐ کے ساتھ ہے لیکن ایمان کے بغیر اس کا کوئی نفع نہیں۔ پھر جو لوگ بزرگوں کی اولاد بن کر بیٹھے ہیں لیکن عقائد درست نہیں، اعمال درست نہیں، ان کی کیا حیثیت ہے؟ جب نبیؐ کی بیوی اگر اس کا عقیدہ درست نہیں تو اس کی کوئی حیثیت نہیں، نوحؑ کے اس بیٹے کی کوئی حیثیت نہیں جو اللہ کا نافرمان تھا جس کے بارے اللہ کریم نے فرما دیا تھا کہ یہ آپؑ کے گھر والوں سے نہیں ہے اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ اس کا کردار اچھا نہیں ہے۔ یعنی اس کے اعمال برے ہیں تو اگر برے اعمال والے سگے بیٹے کے بارے اللہ نے فرما دیا اس کا آپ کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں تو یہی اصول اہل اللہ کے ساتھ ہے۔ نبیؐ کے متبعین کے ساتھ جو رشتہ ہوتا ہے اس کی بنیاد عقیدے پر ہوتی ہے اور اس کی طاقت عمل صالح پر ہوتی ہے خواہ وہ نسبی اولاد ہی ہو۔

عقل کے ہوتے ہوئے تسویل کا عذر نہ ہونا:

قولہٗ تعالیٰ: مَّسٰكِنِهِمْ ۣ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ (العنکبوت:38)

ترجمہ: اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظر میں مستحسن کر کے دکھایا۔

''اس میں دلالت ہے کہ عقل نظر کے ہوتے ہوئے تسویل نفسانی وشیطانی عذر نہیں اگرچہ عقل ونظر کے استعمال سے غافل رہے۔''

فرمایا، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ محض ظاہری علوم سیکھ لینے سے شیطان کے وار سے بچاؤ ممکن نہیں جب تک عمل خالص نہ ہو جائے۔ جیسے آج کل ڈگریوں پہ ڈگریاں لے لیتے ہیں، کئی مضامین میں پانچ دفعہ ایم اے کر لیا، پی ایچ ڈی کر لیا، ایم فل کر لیا وغیرہ۔ تو اگر یہ سب بھی ہوں لیکن اس کا کردار صحیح نہ ہو تو اس کا مطلب ہے وہ شیطان کے چنگل میں پھنس گیا اور باوجود جاننے بوجھنے کے، صاحب نظر، صاحب عقل وخرد ہونے کے اسے سمجھ نہیں آ رہی اس لئے کہ شیطان برائی کو سجا سنوار کر خوبصورت بنا کر بندے کو دکھاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا بدنصیب لوگ گناہ کرتے ہیں، جرم کرتے ہیں پھر محفل میں بیٹھ کر اس پر فخر بھی کرتے ہیں کہ میں نے اتنے ڈاکے ڈالے مجھے کوئی پکڑ نہیں سکا، میں نے اتنی چوریاں کیں میں نے اتنے قتل کیے۔ برائی پہ شرمندہ ہونے کی بجائے یا توبہ کرنے کی بجائے فخر کرتے ہیں۔ کیوں فخر کرتے ہیں؟ اس لئے کہ شیطان اس برائی کو رنگ روغن کر کے انہیں بڑا خوبصورت دکھاتا ہے۔

اصول اعمالِ سلوک:

قولہٗ تعالیٰ: اُتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (العنکبوت:45)

ترجمہ: جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اس کو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے بیشک صلوٰۃ برائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے۔ پھر اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے۔

''اس آیت میں اصولِ اعمالِ سلوک یعنی تلاوت وصلوٰۃ وذکر ومراقبہ مجتمع ہیں اور دوسرے اعمال ان کے تابع ہوتے ہیں۔''

فرماتے ہیں، یہ اصل ہے سلوک وتصوف کی۔ اس میں تلاوت کا حکم ہے۔قرآن کریم کی تلاوت سے مراد ہے کہ قرآن کو ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے، اس کے معانی اور مفاہیم پر غور کیا جائے اور یہ سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ یہ اللہ کریم کی طرف سے میرے نام ایک کتاب ہے، اس میں اللہ کریم میرے لئے کیا حکم فرماتے ہیں، کیا چاہتے ہیں کہ میں کیا کروں، ان کی مجھ پہ کون سی عنایات ہیں، کس طرح کا تعلق بندے اور خالق کے درمیان ہونا چاہیے؟ اس بات کو سمجھنا اس پہ فکر کرنا یہ تلاوت ہے اور دوسری بات اس میں فرمائی کہ صلوٰۃ قائم کرو۔ ولایت کا کوئی مرتبہ ایسا نہیں جس میں عبادت معاف ہو جائے۔ مقرر وقت کی صلوٰۃ اپنے مقررہ وقت پر، اس کے اپنے قاعدے کے مطابق ادا کرنا یہ تو بہت ضروری ہے اس کے علاوہ نوافل ادا کرتے رہنا۔ یادالٰہی چونکہ قرب الٰہی کا سب سے بڑا درجہ جو بندے کو حاصل ہوتا ہے وہ سجدے میں حاصل ہوتا ہے۔ میں سیرت پاک کا مطالعہ کر رہا تھا تو فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی موقع ملتا آپ دو رکعت نفل پڑھ لیتے تھے سوائے ان اوقات کے جن میں سجدہ منع ہے، باقی شب و روز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی موقع ملتا تو دو نفل ادا کر لیتے تھے۔تو صلوٰۃ سے مراد ہے کہ فرائض سے تو چھٹکارا ہی نہیں، مزید اس پر نوافل سے اور اللہ کی یاد میں رہنا اور تیسرا ذکر ومراقبہ یہ ساری چیزیں اس آیت میں جمع ہوگئی ہیں۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ اور ذکر اللہ اکبر ہے۔ اس میں تلاوت کلام بھی آگئی، یہ بھی لسانی ذکر ہے، صلوٰۃ بھی آگئی یہ عملی ذکر ہے، اس کے بعد پھر فرمایا کوئی اور ذکر بھی ہے جو بہت بڑا ہے فرمایا وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تو لسانی بھی آگیا عملی ذکر بھی آگیا، اب تیسرا درجہ ذکر قلبی کا ہے، تو فرمایا یہ تو بہت بڑی دولت ہے کہ ہر سانس میں ہوتا ہے۔ ذکر لسانی کے وقت بھی دل ذاکر ہوتا ہے اور عملی ذکر یعنی عبادت کرتے وقت بھی دل ذاکر ہوتا ہے تو یہ تو بہت بڑی نعمت ہے تو فرمایا ان سب کی اصل اس آیہ کریمہ میں موجود ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے اگلے دن بھی ایک ای میل تھی کہ لوگ مجھے کہتے ہیں ذکر کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ کون سا قرآن یہ لوگ پڑھتے ہیں، دیکھتے ہیں جس میں ذکر کا حکم نہیں ہے؟ شاید من جانب اللہ بندے کا دماغ پھر جاتا ہے، اسے حقائق سمجھ نہیں آتے۔ کوئی گناہ غالب آجاتے ہیں تو ایسا ہوتا ہے۔ اللہ پناہ دے۔

مخالفین کے خطاب میں اہل اللہ کا طریقہ:

قولہ تعالیٰ: وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ڰ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (العنکبوت:46)

ترجمہ: اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقے کے مباحثہ مت کرو۔ ہاں جو ان میں زیادتی کریں۔

''اس میں دلالت ہے کہ مخالف کے ساتھ اولاً نرمی برتیں اور جب عناد ظاہر ہو تو خشونت کی اجازت ہے اور اہل اللہ کا مخالفین کے ساتھ یہی طریق ہے باقی طالبین کے ساتھ دوسرا طرز ہے کہ عذر کی حالت میں نرمی اور عذر نہ ہونے کی صورت میں سختی اور یہی طرز تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہؓ کے ساتھ۔''

کہ اگر کوئی عذر ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم منع بھی فرماتے کس کام سے لیکن اس بندے کا کوئی معقول عذر ہوتا تو نرمی سے فرماتے اور اگر کوئی بلا عذر غلطی کرتا تو حضور ﷺ سختی سے منع فرماتے۔ فرماتے ہیں اگر کوئی عذر ہو جیسے ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ نرمی سے بحث کرو لیکن اگر وہ محض عداوت پر اتر آئیں تو پھر سختی کرو تو اسی طرح طالبین سے کوئی غلطی ہوتی ہے کوئی عذر ہے اسے معلوم نہیں تھا یا سہواً ہو گیا تو نرمی سے سمجھنا چاہیے لیکن اگر یہ سمجھ آئے کہ نہیں یہ جان بوجھ کر غلطی کر رہا ہے تو سختی سے روکنا درست ہے۔

مسئلہ التمثل:

قولہ تعالیٰ: وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ (العنکبوت:54)

ترجمہ: کہ جہنم نے کافروں کو گھیرا ہوا ہے۔

''ایک تاویل پر جو کہ اصل میں مذکور ہے۔ اس میں مسئلہ تمثل کی

طرف اشارہ ہے۔"

ایک مسئلہ ہے تمثیل کا، تمثیل یہ ہوتی ہے اہل اللہ میں بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک بندہ تو یہاں ہے دوسرا حج سے آیا ہے وہ کہتا ہے میں نے آپ کو وہاں دیکھا تھا تو وہ تو وہاں نہیں وہ تو یہاں تھا تو وہاں اس کی تمثل تھی۔ یعنی انوارات میں تصویر منعکس ہو کر شیشے میں منعکس ہو کر دکھائی دیتی ہے تو اسے تمثیل کہتے ہیں اس میں دلیل ہے کہ باتباع نبیؐ بیک وقت اولیاء اللہ کا مختلف جگہ پر پایا جانا ممکن ہے۔ جیسے بیک وقت انبیاء کا مختلف جگہ پر ہونا ثابت ہے۔ ذکر اذکار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیاء کو سالک مختلف مقام پر دیکھتے ہیں تو اس کا اس میں ثبوت ہے فرمایا، دوزخ نے کافروں کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ حالانکہ دوزخ تو اپنی جگہ موجود ہے اور کافر دنیا میں ہیں لیکن اس کے اثرات اس کی تمثیل انہیں دنیا میں بھی گھیرے ہوئے ہے۔ فرماتے ہیں اس میں تمثیل کا ثبوت ہے۔ اب یہ اگر اولیاء اللہ متعدد مقامات پر نظر آئیں تو اس سے حاضر ناظر ہونے کا ثبوت نہیں ہوتا چونکہ وہ ذات نہیں ہوتی تمثیل ہوتی ہے۔

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی مذمت:

قولہ تعالیٰ: وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۚ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (العنکبوت:64)

ترجمہ: یہ دنیوی زندگی بجز لہو ولعب کے کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت ہے اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔

"یہ زہد فی الدنیا اور ترغیب آخرت میں صریح ہے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والے پر جہل کا حکم ہے۔"

فرمایا اس آیت سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں "زُھد فی الدنیا" دنیا سے بے رغبتی۔ اس سے یہ ضروری نہیں کہ بندہ خود فقیر ہو اس کے پاس کچھ ہو ہی نہیں۔ اس سے مراد ہے کہ اللہ کا دیا سب کچھ بھی ہو تو بھی اس کا دل دنیا میں نہ لگا ہو، دل آخرت میں لگا ہو، دل آخرت کی طرف ہو۔ حضرت عبیدؒ اللہ احرار ہمارے مشائخ میں سے ہیں۔ ان کی بہت بڑی زمینداری تھی۔ ان کے کھیتوں میں سو ہل چلا کرتے تھے، سو ہل کا مطلب ہے کہ سو خاندانوں کا روزگار ان کھیتوں سے وابستہ تھا۔ جانوروں وغیرہ کی دیکھ بھال کے لئے کئی سو ملازم علیحدہ تھے ان کے ساتھ ان کے خاندان وغیرہ تھے مطلب ہے کہ ایک مخلوق ان کے ساتھ پلتی تھی۔ ان کے بارے کسی کو یہ خیال گزرا کہ یہ شیخ سلسلہ بھی ہیں لوگوں کو اللہ اللہ بھی سکھاتے ہیں اتنی بڑی ان کی دنیا داری بھی ہے تو یہ تو دنیا میں پھنسے ہوں گے تو اس زمانے میں کوئی پاسپورٹ ویزے وغیرہ نہیں ہوتے تھے جس کا جی چاہے جہاں چلا جائے سواریاں بھی ایسی نہیں ہوتی تھیں۔ لوگ ان دنوں حج کے لئے نکل رہے تھے تو جس کو یہ خیال آیا اس نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت اگر آپ چاہیں تو میں چاہتا ہوں آپ کے ساتھ مجھے بھی حج نصیب ہو تو چلیں حج پر ہو آئیں۔ آپ نے فرمایا اچھی بات ہے تم نے نیک صلاح دی ہے تیار ہو جاؤ چلتے ہیں۔ اب فجر کی نماز پر جب وہ آیا تو حضرت تیار تھے اپنا زادِ راہ جو چاہیے تھا وہ پاس تھا، مسجد میں جلوہ افروز تھے تو اسے کہا بھئی نماز پڑھو اور نکلیں سفر پر تو اس نے کہا حضرت میں نے تو تیاری نہیں کی، میرا فلاں کام رہتا ہے، بچوں کو سمجھانا تھا، شراکت دار کو کام بتانے تھے وغیرہ انہوں نے کہا کہ تم نے مجھے کیوں تیار کرلیا کہنے لگے جی میں تو سمجھا تھا چونکہ آپ اتنے مصروف آدمی ہیں تو آپ اس جھنجھٹ سے کیسے نکل سکیں گے؟ انہوں نے فرمایا میاں میرا کچھ بھی نہیں ہے، سب اللہ کا ہے، مجھے امانت دی ہے میں دیکھ رہا ہوں، میں نہیں ہوں گا تو کسی اور کے سپرد کر دے گا تو یہ میرا نہیں ہے۔ میں تو اس کا نگران ہوں۔ میں چلا جاؤں گا تو اللہ کسی اور سے یہ کام لے لیں گے۔ تو وہ اپنے چھوٹے سے مشورے پر خود نہ نکل سکا۔ تو فرمایا اسباب دنیا کا ہونا اور بات ہے اور دنیا میں دل لگانا اور بات ہے۔ تو اس آیہ کریمہ میں زُھد فی الدنیا یعنی دنیا دل میں نہ گھس جائے جیسے کشتی پانی کے بغیر نہیں چلتی پانی میں ہی چلتی ہے آدمی کو دنیا میں ہی رہنا ہے لیکن پانی کشتی میں آجائے تو پھر وہ غرق ہو جاتی ہے۔ دنیا دل میں آجائے تو پھر دل کو ڈبو دیتی ہے۔ اور آخرت کی رغبت، آخرت سے محبت، آخرت کی فکر، ہر عمل کے وقت خیال رہے یہ مقصود ہے۔

❁❁❁❁

اکرم التفاسیر

سورۃ الزخرف، آیات 36 تا 45

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے ہیں۔

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا

اور جو رحمٰن (اللہ) کی یاد (قرآن) سے آنکھیں بند کرلے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر

فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ ﴿٣٦﴾ وَاِنَّهُمْ لَیَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ

دیتے ہیں تو وہ (ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔ اور وہ ان کو راہ راست سے روکتے رہتے

وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٧﴾ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَنَا

ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہمارے پاس آئے گا تو

قَالَ یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ بُعْدَ

(شیطان سے) کہے گا کاش! میرے اور تیرے درمیان (دنیا میں) مشرق و مغرب کے

الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ ﴿٣٨﴾ وَلَنْ یَّنْفَعَكُمُ الْیَوْمَ

برابر فاصلہ ہوتا تو (تو) بہت برا ساتھی ہے۔ اور جب تم ظلم کرتے رہے تو آج یہ بات تم کو

اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٩﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ

ہرگز فائدہ نہ دے گی کہ تم (سب) عذاب میں شریک ہو۔ تو کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں

الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ وَمَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿٤٠﴾ فَاِمَّا

یا اندھوں کو راستہ دکھا سکتے ہیں اور ان لوگوں کو جو واضح گمراہی میں ہیں؟ پھر اگر ہم آپ کو

نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿٤١﴾ اَوْ نُرِیَنَّكَ

(دنیا سے) لے جائیں تو (تب) بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے۔ یا آپ کو (دنیا کی زندگی میں)

الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَیْهِمْ

وہ (عذاب) دکھادیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ پس یقیناً ہم اُن پر ہر طرح کی

مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿٤٢﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ ۚ

قدرت رکھتے ہیں۔ پس آپ اس (قرآن) پر قائم رہیے جو ہم نے آپ پر وحی فرمایا ہے۔

اِنَّكَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿٤٣﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ

بیشک آپ سیدھے راستے پر ہیں۔ اور یقیناً یہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی قوم

وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ

(اُمت) کے لیے نصیحت ہے اور (لوگو) تم سے بہت جلد پوچھا جائے گا۔ اور آپ ان (پیغمبرؑ)

قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ

سے پوچھ لیجئے جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے، کیا ہم نے رحمٰن (اللہ) کے علاوہ کوئی دوسرے

الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ ﴿٤٥﴾

معبود مقرر فرمائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟

جو کوئی بھی اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کرلے۔ قرآنِ کریم اللہ کا ذکر ہے۔ ذکرِ الٰہی کے مختلف مدارج ہیں۔ ایمان لانا بھی ذکرِ الٰہی ہے۔ اللہ کی یاد اُس میں موجود ہے۔ ہر وہ عمل جو شریعت اور اللہ کے حکم کے مطابق کیا جائے، وہ عملی ذکر ہے کہ اُس میں اللہ کی یاد موجود ہے۔ ایسا کیوں کررہے ہیں؟ اللہ کا حکم ہے۔ دوسرا ذکر، ذکرلسانی ہے۔ زبان سے اللہ کا نام لینا، تلاوت کرنا، دعا کرنا، عبادات، نماز، روزہ، تسبیحات یہ ذکرِ لسانی ہے۔ شریعت کے مطابق عمل کرنا عملی ذکر ہے اور سب سے اعلیٰ ذکرِ قلبی ہے کہ دل ذاکر ہوجائے اور کسی لمحہ غفلت نہ رہے، ہمہ وقت اللہ اللہ کرتا رہے۔ ذکرِ قلبی کے لیے بھی یہ بنیادی شرطِ ذکر ہے کہ ایمان ہو، کردار ہو، پھر توجہ نصیب ہو تب جا کر ذکرِ قلبی نصیب ہوتا ہے۔ وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ ۔۔۔ جو لوگ اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کرلیتے ہیں یعنی زندگی بھر نہ کتاب اللہ کو کھول کر دیکھتے ہیں نہ اللہ کی عظمت کا ادراک کرتے ہیں نہ اطاعتِ الٰہی کا اہتمام کرتے ہیں۔ کفر و شرک پہ جمے ہوئے ہیں۔ فرمایا، اُس کی سزا دنیا میں یہ دی جاتی ہے: نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا ۔۔۔ ہم اُن پر ایک شیطان مسلط کردیتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ بنی آدم میں جہاں کوئی

پیدا ہوتا ہے اُس کے ساتھ ایک شیطان پیدا ہوتا ہے۔ وہ عمر بھر اُس کے ساتھ رہتا ہے۔ بُرائی کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔ اگر وہ مرجائے تو وہ کسی دوسرے بندے کے پاس نہیں جاتا چونکہ اِن کی عمریں ہزاروں برس ہوتی ہیں تو جہاں اُس کے وجود کے ذرات ہوں، وہ موت تک وہیں بیٹھا رہتا ہے۔ مغرب میں بھی اور ہمارے ہاں بھی ایک طریقہ ہے، عاملین حضرات روحوں کو حاضر کرتے ہیں۔ یاد رہے روحیں برزخ سے واپس نہیں لائی جاسکتیں۔ اگر مرنے والا نجات میں ہے اور اُس کی قبر جنت کا باغ ہے اور اُس کی روح جنت کے باغوں میں ہے تو دنیا کے عامل اُسے پکڑ کر دنیا میں لے آئیں، یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر اُس کی قبر جہنم کا گڑھا ہے اور اُس کی روح گرفتار بلا ہے تو وہاں سے کون لائے گا؟ لہٰذا یہ جو عامل عملیات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روح حاضر ہوگئی۔ وہ روح نہیں ہوتی، وہی شیطان ہوتا ہے جو اُس کے ساتھ ساری عمر رہا۔ اُس کا لب ولہجہ بھی جانتا ہے۔ اُس کے سارے حالات بھی جانتا ہے، ساری باتیں بھی جانتا ہے۔ جو شیطان بطور سزا مسلط کیا جاتا ہے یہ اُس کے علاوہ ہے کہ جب اللہ کی یاد سے کوئی غافل ہوتا ہے، احکامِ الٰہی کی پرواہ نہیں کرتا، نبی کریم ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کرتا تو دنیا میں اُسے سزا دی جاتی ہے کہ اُس پر ایک اور شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۝---وہ بھی ہر وقت اُس کے ساتھ رہتا ہے۔ اور یہ مل کر کرتے کیا ہیں؟ دو شیطان اکٹھے ہوگئے، تو یہ کیا کرتے ہیں؟ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ---وہ اِسے اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ نیکی سے بھلائی سے، اچھائی سے روکتے ہیں اور پھر مزے کی بات یہ ہے: وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۝--- وہ سمجھتا ہے میں جو کر رہا ہوں، ٹھیک کر رہا ہوں۔ غلط کر رہا ہوتا ہے، سمجھ یہ رہا ہوتا ہے کہ میں نے ٹھیک کیا ہے۔ آپ دیکھ لیجئے دارِ دنیا میں ہر کافر یہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ بھئی! جب تم باطل پر ہو تو حق پر کیسے ہو؟ وہ شیطان اُسے یقین دلاتے ہیں کہ تم ٹھیک ہو۔ ہر چور، ڈاکو، اُچکا، بدکار اپنی برائی کا جواز لیے ہوئے ہوتا ہے۔ کہتا ہے یہاں یہی کرنا ضروری تھا، میں نے ٹھیک کیا۔ ایسے لوگ بھی معاشرے میں ملتے ہیں جو گناہ پہ فخر کرتے ہیں۔

میں نے اتنے قتل کیے، میں نے اتنے ڈاکے ڈالے، میں نے اتنی عزتیں لوٹیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ برائی ہے اور اس پہ فخر ہو رہا ہے! یہ اُن شیاطین کا کام ہے کہ وہ اُسے بُرائی بڑی کر کے دکھاتے ہیں کہ تم نے بڑا معرکہ مارا، تم بالکل ٹھیک کر رہے ہو، تم نے بہت بڑا کام کیا۔ فرمایا، یہ شیطان اُسے اللہ کی راہ سے تو روکتے ہی ہیں، بُرائی کو بھی بنا سنوار کر اُسے دکھاتے ہیں اور وہ یہی سمجھتا ہے میں بڑا کام کر رہا ہوں تا آنکہ موت آجائے گی۔ بارگاہِ الوہیت میں حاضری ہوگی، قیامت قائم ہوگی۔ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا --- یہاں تک کہ جب یہ میری بارگاہ میں حاضر ہوں گے: قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ --- اُس وقت انسان کہے گا اے کاش! تیرے اور میرے درمیان مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہوتا۔ مشرق اور مغرب ایک تو ایک دوسرے سے انتہائی دور ہیں۔ دوسرا کبھی مل نہیں سکتے، تو اُس وقت انسان کہے گا کہ تُو مجھ سے اتنی دور ہوتا کہ کبھی تُو مجھے مل نہ سکتا۔ کبھی تُو مجھے پا نہ سکتا: فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ۝--- تُو بہت بُرا ساتھی تھا، تُو نے مجھے تباہ کر دیا۔ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ ---فرمایا، قیامت کے دِن یہ بیزاری کسی کام نہ آئے گی۔ جب دنیا میں تم اُس کے کہنے پر ظلم کرتے رہے تو قیامت کا دن تو نتائج کا دن ہے۔ آخرت یا موت کے بعد تو دارِ عمل ختم ہوجاتا ہے، عمل کا وقت تو ختم ہوگیا۔ اب تو اُس کے ثمرات، اُس کے نتائج آنے ہیں تو آج کی بیزاری کوئی فائدہ نہ دے گی۔ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ --- لوگو! تمہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کہ تم اللہ کے حضور پہنچ جاؤ پھر شیطان سے بیزاری کا اعلان کرو۔ کرنا ہے تو آج کرو۔ راستے دو ہی ہیں، کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔ جتنے بھی گمراہی کے راستے نکلتے ہیں سب شیطان کے پیچھے ہیں۔ ایک ہی راستہ ہے اللہ کا، اللہ کے انبیاءؑ کا، اللہ کی کتاب کا، نبی کریم ﷺ کا، جو راہِ ہدایت ہے۔ اگر کوئی دائیں گیا، تباہ ہوگیا، بائیں گیا، تباہ ہوگیا تو فرمایا جب تم دنیا میں اُس کے کہنے پر گناہ کرتے رہے نافرمانی کرتے رہے، کفر و شرک کرتے رہے آج کی بیزاری تمہیں کیا فائدہ دے گی؟ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ۝--- آج تم بھی اور تمہارے شیطان بھی اکٹھے جہنم بھگتو۔

ایک حدیث شریف کامفہوم ہے کہ آخرت میں بندے اُس کے ساتھ ہوں گے جس سے وہ محبت رکھتے ہیں۔ آخرت میں اُسی کا ساتھ نصیب ہوگا۔ تو جس نے زندگی میں شیاطین سے محبت رکھی، اُن کی بات مانتا رہا وہ آخرت میں اُنہی کے ساتھ اُن کے عذاب میں شریک ہوگا۔ جس نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ، اللہ کے دین سے محبت کی وہ اُس کے ساتھ ہوگا۔ فرمایا، آج کی بیزاری تمہیں فائدہ نہیں دے گی کہ جب دارِ عمل تھا، اُس وقت تم شیاطین کے کہنے پر عمل کرتے رہے تو آج انہی شیاطین کے ساتھ عذاب بھگتو: اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ۝ --- تم عذاب میں شریک ہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہو، بھگتو۔ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ --- فرمایا دیکھ لیجئے میرے حبیب ﷺ! ان بہروں کو آپ کیسے سنا سکتے ہیں؟ کفار بظاہر تو بہرے نہیں تھے۔ حضور ﷺ کے ارشاداتِ عالی سنتے تھے، جواب دیتے تھے۔ ناراض ہوتے تھے یا ایذا پہنچاتے تھے۔ چونکہ قبول نہ کرنا، نہ سننے کے برابر ہے تو جب اُنہوں نے قبول نہیں کیا تو گویا اُنہوں نے سُنا ہی نہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، ایسے کانوں کا کیا فائدہ جن سے حق سنائی نہ دے۔ یہ تو بہرا پن ہے، قوتِ سماعت نہ ہونے کی بات ہے۔ فرمایا، ایسے بہروں کو جو قوتِ سماعت ہوتے ہوئے نہیں سن رہے، آپ ﷺ انہیں سنا نہیں سکتے۔

ایک بہرہ تو وہ ہوتا ہے جس کی قوتِ سماعت ہی مجروح ہو جاتی ہے یا کام نہیں کرتی، سُن نہیں سکتا۔ ایک سنتے ہوئے بہرہ ہے، قبول نہیں کرتا، عمل نہیں کرتا تو فرمایا، آپ ﷺ اس کے لیے بھلا کیا کر سکتے ہیں! چونکہ ہر بندہ اپنے کردار کا خود مکلف ہے۔ ہر بندہ راہ اپنانے میں آزاد ہے۔ آپ ﷺ کا کام صرف پیغام پہنچانا ہے۔ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ --- یا اندھوں کو آپ ﷺ راستہ کیسے دکھائیں گے؟ حالانکہ ظاہری آنکھیں تو اُن کی تھیں۔ قرآنِ کریم اُنہیں اندھا بھی کہتا ہے، بہرہ بھی کہتا ہے، اور زندہ لوگ تھے لیکن انہیں مردہ بھی کہتا ہے: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (سورۃ النمل:80) --- آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے تو اس سے حقیقی مُردے مراد لینا درست نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ قبرستانوں میں وعظ نہیں فرماتے تھے کہ اللہ نے منع کیا ہو کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اِس آیت سے وہ مُردے مراد ہیں جو زندہ انسان تھے، چلتے پھرتے، سنتے کھاتے پیتے لیکن حضور ﷺ کے ارشادات قبول نہیں کرتے تھے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ مُردے ہیں۔ جیسے مُردہ عمل نہیں کر سکتا، یہ بھی کردار سے اور عمل سے محروم ہیں۔ ایک عرب شاعر نے کہا تھا واجسامھم قبل القبور قبورھم کہ ان کے بدن، قبر میں جانے سے پہلے اُن کی روحوں کی قبریں بن گئی ہیں۔ تو اللہ کا فر کو چلتی پھرتی قبر فرماتا ہے کہ اس کی روح مر چکی ہے۔ یہ ایک میت اُٹھائے ہوئے قبر پھر رہی ہے۔ اسی طرح فرمایا، جو حق نہیں سنتا اُس نے پھر کیا سنا؟ جو حق دیکھتا نہیں، اُس نے کیا دیکھا؟ وہ تو اندھا ہی رہا۔ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ --- جو کہ واضح گمراہی میں ہوں۔ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ --- واضح گمراہی یا ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ کیا ہوتا ہے؟ بندے کو پتا ہوتا ہے کہ میں غلط کر رہا ہوں لیکن اُس کے اپنے اندر ایک اپنی آنر Honour ایک اپنا مقام ہوتا ہے کہ میں اگر غلطی تسلیم کروں گا تو یہ میری شان کے خلاف ہے۔ اُس پر جما رہتا ہے۔ کہتا ہے نہیں، جو میں نے کیا ہے یہی صحیح ہے۔ فرمایا، یہ لوگ جو آپ ﷺ کی بات نہیں مانتے، یہ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ حق پر ہیں، سچے ہیں اور یہ غلط کر رہے ہیں لیکن مانتے نہیں۔ سنتے ہیں، عمل نہیں کرتے۔ دیکھتے ہیں، عبرت حاصل نہیں کرتے۔ انہوں نے کانوں سے کوئی فائدہ حاصل کیا نہ ہی انہیں بصارت کوئی فائدہ دے سکی اور نہ اِن کے اعمال سُدھر سکے۔ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ۝ --- آپ ﷺ اس دنیائے آب و گِل سے پردہ فرما جائیں یا آپ ﷺ کے سامنے بھی ہو سکتا ہے یہ نہیں بچیں گے: فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ۝ --- ہم ان کے کردار کا بدلہ ان سے لیں گے۔ آپ ﷺ کے سامنے بھی ہو سکتا ہے یا آپ ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ہو یہ تو اللہ کی مرضی پر موقوف ہے وہ جب چاہے لیکن نافرمانی اپنا پھل دنیا میں بھی دے جاتی ہے کہ ذلیل کرتی ہے، رسوا کرتی ہے، بے آبرو کرتی ہے، تکلیف دیتی ہے اور آخرت بھی برباد کرتی ہے۔ فرمایا، اللہ کے انتقام، اللہ کی سزا، اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔ یہ آپ ﷺ کی نافرمانی

کررہے ہیں، اللہ کی بات کو ٹھکرا رہے ہیں۔ اندھے اور بہرے بنے ہوئے ہیں تو اس کی سزا انہیں آپ ﷺ کے سامنے ملے یا آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما جائیں تو ملے لیکن انہیں اس دنیا میں بھی سزا ضرور ملے گی اور آخرت میں بھی ملے گی۔ کفر تو خیر بہت بڑی مصیبت ہے۔ کافر کی زندگی میں کوئی سانس سکون کا نہیں ہوتا۔ چونکہ وہ محض اوہام پہ جی رہا ہوتا ہے۔ خیالات پہ، تخیلات پہ، فرضی کہانیوں پہ جی رہا ہوتا ہے جن میں سکون نہیں ہوتا۔ بدکار کی زندگی میں بھی سکون نہیں آتا۔ کوئی بُرائی سکون نہیں دیتی۔ چور، ڈاکو، ظالم، بدکار، قاتل، لٹیرے، رشوت خور ساری زندگی لحہ لحہ پریشان رہتے ہیں۔ یہ اللہ کی سزا ہوتی ہے جو اس دنیا میں بھی مسلط ہو جاتی ہے۔ پھر آخرت دائمی اور ابدی ہے، دنیا وقتی اور عارضی ہے تو جو چیز عارضی ہوتی ہے وہ کمزور ہوتی ہے جو دائمی ہوتی ہے وہ طاقتور ہوتی ہے اور وہ کمزور کو اپنے اثر میں لے لیتی ہے تو طاقتور کا عکس کمزور پہ پڑتا ہے اُسے متاثر کرتا ہے۔

حضرت عبدالعزیز الدباغ ؒ اپنے زمانے کے غوث تھے۔ وہ ظاہراً پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن علماء بھی اُن سے مسائل میں تصحیح لیتے تھے۔ بظاہر اُنہوں نے پڑھا نہیں تھا۔ اُن کے ایک شاگرد نے اُن کے ارشادات کتاب میں جمع کیے جس کا نام "الابریز" ہے، یہ عربی میں ہے۔ اس کا اردو میں ترجمہ بھی ہے۔ اس میں ایک واقعہ ملتا ہے جو اُن کے شاگرد نے جمع کیے تو وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے صوبے کا گورنر بڑا ظالم تھا تو بادشاہ اُس سے ناراض ہوا اور اُس نے اُسے گورنری سے ہٹا دیا تو مجھے بہت خوشی ہوئی۔ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے حضرت کو بھی خبر سنائی کہ لوگوں کی جان چھوٹ گئی ہے۔ گورنر ظالم تھا، اسے بادشاہ نے ہٹا دیا ہے تو اُن کی عادتِ مبارک تھی کہ وہ کمبل سا لپیٹ کر، اوڑھ کر لیٹے رہتے تھے۔ اکثر اپنے ذکر اذکار میں مشغول رہتے تھے تو انہوں نے میری طرف دیکھا اور فرمایا، تُو کہتا ہے گورنر ہٹ گیا لیکن اس کے لیے جہنم میں جو عذاب بن رہے تھے وہ تو ویسے ہی بن رہے ہیں۔ اگر ہٹ گیا ہوتا، اختیار ختم ہو گیا ہوتا، ظلم رُک گیا ہوتا تو وہ رُک جاتے۔ وہ کہتے ہیں میں حضرت کی مجلس سے جب باہر آیا تو مجھے پتا چلا کہ بادشاہ نے اُسے تھوڑی دیر بعد بحال کر دیا تھا یعنی برائی جو یہاں کی جاتی ہے، وہاں اُس کی سزا بنتی ہے۔ وہ دائمی ہے، یہ دنیا عارضی ہے۔ اُس کا عکس پھر بندے کے دل پہ آتا ہے۔ سو بُرائی کر کے کوئی سکون نہیں پا سکتا۔ نیکی کرتا ہے، عبادت کرتا ہے، بھلائی کرتا ہے، وہاں اُس کے لیے انعام بنتا ہے۔ اچھا گھر بنتا ہے، جنت تعمیر ہوتی ہے، اُس کا پَرتو اُس بندے کے دل پہ آتا ہے۔ وہ فقیر ہو تو بھی پُرسکون ہوتا ہے۔ بدکار بادشاہ ہو تو بھی بےقرار ہوتا ہے۔ تو فرمایا: فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُم مُّنتَقِمُونَ ﴿٤١﴾ --- اگر آپ پردہ بھی فرما جائیں ہم آپ کو دنیا سے لے بھی آئیں، پھر بھی اِن سے انتقام لیا جائے گا۔ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ --- یا بعض عذاب آپ ﷺ کے سامنے ان پر وارد ہو جائیں جس کا ہم وعدہ کر رہے ہیں۔ سو بدر و اُحد میں، فتح مکہ میں ذلیل ہوئے، قتل ہوئے، تباہ ہوئے، قید ہوئے: فَإِنَّا عَلَيْهِم مُّقْتَدِرُونَ ﴿٤٢﴾ --- ہم اِس چیز پہ قادر ہیں۔ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں یہ ہماری قدرتِ کاملہ میں ہے۔ قرآنِ حکیم تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔ قرآن کا موضوع تاریخ نہیں ہے تو پھر یہ تاریخی واقعات کیوں بیان کرتا ہے؟ یہ تاریخ کے طور پر بیان نہیں فرماتا بلکہ عبرت کے طور پر بیان فرماتا ہے کہ کس قوم کا کردار کیا تھا، پھر اُس کا نتیجہ کیا ہوا۔ تم بھی بنی آدم ہو، تم بھی روئے زمین پر ہو، تم بھی مکلف ہو۔ دامانِ رسالت ﷺ کو تھامو گے تو نتیجہ کیا ہوگا، نافرمانی کرو گے تو انجام کیا ہوگا۔ تو قرآن عبرت کے لیے یہ قصے بیان فرماتا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے: فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ --- اے میرے حبیب! آپ ﷺ پر جو وحی نازل ہوتی ہے اسے قابو رکھئے۔ فَاسْتَمْسِكْ --- تَمَسَّكْ ہوتا ہے چمٹ جانا، جزو بن جانا، ساتھ لگ جانا۔ کسی ملک میں بادشاہت ہوتی ہے یا جمہوریت ہوتی ہے یا کوئی طرزِ حکومت ہو تو کوئی تو ملک کا سربراہ ہوتا ہے، توانین بنتے ہیں تو آئین یا دستور میں یہ ہوتا ہے کہ ملک کا جو سربراہ ہے وہ بھی اس شق کا پابند ہے۔ ایسا اُسے بھی کرنا پڑے گا۔ اب جو شق صدرِ مملکت سے یا سربراہِ مملکت سے یا بادشاہ سے بھی نہیں ٹل سکتی، عام آدمی میں کیا جرأت ہے کہ وہ اُسے توڑے؟ یہاں یہی ارشاد ہو رہا ہے کہ قرآن کے

ساتھ تمسک کا حکم تو خود رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ تمسک بالقرآن یہ ہے کہ عقیدہ قرآن کے مطابق ہو، کردار قرآن کے مطابق ہو، افکار بھی قرآن کے مطابق ہوں اور اپنے قرآن تھامنے پر اللہ کے کلام پر اللہ کے دین پر فخر ہو کہ الحمدللہ! میں مسلمان ہوں! یہ شرمندہ، شرمندہ مسلمانی اور میں جی کمزور مسلمان ہوں۔ یہ کمزور مسلمان کیا ہوتا ہے؟ مسلمان، مسلمان ہوتا ہے۔ یا مسلمان ہے یا نہیں ہے۔ یہ ہماری کمزوری کا کوئی بہانہ نہیں ہے۔ فرمایا، قرآن سے لپٹ جاؤ۔ کچھ بھی ہو جائے، دامنِ قرآن، دامنِ وحی نہ چھوٹے، دامانِ رسالت ﷺ نہ چھوٹے، اللہ کا دین نہ چھوٹے۔ پھر ساتھ اللہ کریم نے گواہی دے دی۔ قیامت کو پتا چلے گا ناں کون سچا ہے، کون جھوٹا ہے۔ کون حق پر تھا، کون باطل پر تھا۔ فرمایا، قیامت کی بات تو قیامت کو ہوگی یہ جو وحی الٰہی اور قرآن اور اسلام ہے اس کا فیصلہ میں آج دے دیتا ہوں: اِنَّكَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ --- یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں۔ آپ ﷺ سچے ہیں، آپ حق پر ہیں۔ یہ فیصلہ تو یہیں صادر ہو گیا۔ عقیدہ اور عمل جو بھی قرآن کے مطابق ہوگا، سوچ اور فکر، وہ سب حق ہے۔ آپ ﷺ حق پر ہیں: اِنَّكَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ --- آپ بالکل سیدھے راستے پر ہیں۔ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ --- یہ آپ ﷺ کے لیے اللہ کی یاد کا بہترین ذریعہ ہے: وَلِقَوْمِكَ ۚ --- آپ ﷺ کی قوم کون ہے؟ اُمت! آپ ﷺ کی اُمت کے لیے۔ دنیوی قومیں تو نسب اور نسل پر منحصر ہیں ناں! فلاں فلاں کی اولاد ہے، اُس کی قوم یہ تھی، یہ بھی اُس قوم کا فرد ہے۔ انبیاءؑ کی برکات اُمت میں تقسیم ہوتی ہیں۔ نبیؑ کی قوم اُس کی اُمت ہوتی ہے۔ اِسی طرح کسی بدکار کے پیچھے چلیں تو اُس کی قوم میں شامل ہو جاتا ہے۔ جیسے فرمایا: وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ (سورۃ البقرہ:50) --- ہم نے فرعون کو اور اُس کی آل کو۔ اب آل میں صرف فرعون کے کوئی گھر کے بندے تو نہیں تھے۔ اُس کی تو پوری قوم ساتھ ڈوب گئی تھی۔ سب کو آلِ فرعون کہا گیا ہے، وہ فرعون کی قوم تھی۔ فرمایا، یہ تو اللہ کی یاد کا بہترین، اللہ سے تعلق کا بہترین راستہ ہے۔ آپ ﷺ کے لیے، آپ ﷺ کی قوم کے لیے، آپ ﷺ کی اُمت کے لیے: وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ۝ --- اور پھر بہت جلد اس کے بارے پوچھا بھی جائے گا کہ کس نے مانا، کتنا مانا؟ کس نے کتنا عمل کیا؟ کس خلوص سے کیا؟ تو جس بات کی کل جوابدہی بھی ہونی ہے، اُس کی فکر تو زیادہ ہونی چاہئے۔ ایک بات ہوتی ہے کہ آج کرو، آج فائدہ ہوگا۔ چلو ٹھیک ہے۔ بندہ چھلانگ لگا دیتا ہے۔ جی کروڑوں، اربوں خرچ کر دیتا ہے کہ اس میں اتنا فائدہ ہے۔ فائدہ ہوا، نقصان ہوا، بات ختم ہوئی۔ یہیں ختم ہو جاتی، تو اور بات تھی۔ اس کے تو بارے پوچھا بھی جائے گا کہ تمہارے پاس میرا کلام میرے نبی ﷺ لے کر آئے تھے، کتنا تم نے مانا؟ کتنا قبول کیا؟ کتنا اُس پر عمل کیا؟ کتنا یقین کیا؟ کتنا نہیں مانا، کیوں نہیں مانا؟ اور یہی بات وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ --- آپ ﷺ سے پہلے جتنے رسول گزرے ہیں آپ ﷺ اُن سے پوچھ لیجیے، اُن کی تحقیق کر لیجیے، اُن کی تعلیمات پہ تحقیق کر لیجیے یا اللہ آپ کے لیے دروازے کھول دیں، آپ ﷺ اُن سے ملاقات کر کے پوچھ لیجیے۔ جیسے شبِ معراج کو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے حضور ﷺ کے پیچھے دوگانہ ادا فرمایا۔

بڑی عجیب بات ہے، بڑی تاویلیں گھڑی جاتی ہیں۔ پتا نہیں حقائق کو قبول کرنے میں کیوں ہچکچاتا ہے انسان؟ بھئی! جب حدیث شریف میں آتا ہے کہ سارے انبیاءؑ کی آپ ﷺ نے امامت فرمائی تو نبیؑ کس کو کہتے ہیں؟ کیا صرف نبیؑ کی روح نبیؑ ہوتی ہے؟ جسم نبی نہیں ہوتا؟ یا صرف جسم نبیؑ ہوتا ہے، روح نبی نہیں ہوتی؟ روح اور جسم مل کر نبیؑ ہوتے ہیں تو انبیاءؑ اپنے اجسام، ارواح کے ساتھ مکمل نبیؑ، حضور ﷺ کی اقتداء میں تھے۔ جو شبِ معراج کو ملا سکتا ہے، وہ ہر وقت بھی ملوا سکتا ہے۔ تو فرمایا، آپ پہلے رسولوںؑ سے پوچھ لیجئے۔ اب جب ہمیں یہ بات ہضم نہیں ہوتی تو ہم اس کا مفہوم یہ لکھتے ہیں پھر کہ اُن کی تعلیمات پہ تحقیق کر لیجیے۔ وہ ہمارا حوصلہ نہیں کرتا بات ماننے کو۔ ہم سمجھتے ہیں مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا تو شاید انبیاءؑ سے بھی نہیں ہو سکتا۔ نبیؑ نبیؑ ہوتا ہے۔ اللہ کی بہت بڑی، بہت بڑی نعمت ہے "نبوت" جو صرف انبیاءؑ کو ملتی ہے۔ غیر نبی اُس کا سایہ بھی نہیں پا سکتا۔ تو فرمایا، پہلے رسولوں سے پوچھ لیجے: اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ۝ --- کسی نبیؑ نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم دیا؟ یعنی یہ وہ حقیقت ہے جو آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آپ ﷺ تک ہر نبیؑ نے بتائی کہ لا الہ الا اللہ۔ کسی نبیؑ نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت کا حکم نہیں دیا۔

شرح مشکوٰۃ المصابیح

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَھَادَۃِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، وَإِقَامِ الصَّلٰوۃِ، وَإِیْتَاءِ الزَّکَاۃِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ... (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اس کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور تحقیق محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں اور نماز کا اچھی طرح پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔ حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، اسلام کی تعمیر پانچ بنیادوں پہ رکھی گئی ہے۔ اسلام کی جو عمارت ہے اُس کے نیچے پانچ ستون ہیں یا اسلام کی جو عمارت ہے اُس کی بنیادیں پانچ ہیں۔

شَھَادَۃِ:

سب سے پہلے شہادت، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ ---- اسلام کی سب سے پہلی بنیاد یہ ہے، شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد و لاشریک معبودِ برحق ہے اور یہ شہادت دے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ ---

اللہ کو ویسا ماننا جیسا اللہ کا رسول ﷺ منواتے ہیں:

اسلام کی بنیاد ایمان باللہ پر ہے۔ اللہ کو ماننے پر ہے اور اللہ کو ویسا ماننا جیسا اللہ کا رسول ﷺ منواتے ہیں۔ اپنی مرضی سے اللہ کے اوصاف گھڑ لینا، اپنی پسند کا معبود بنا لینا، یہ درست نہیں ہے۔ اللہ کو ویسا ماننے جیسا رسول اللہ ﷺ منواتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ معبودِ برحق کیوں ہیں؟ کیوں اور کوئی عبادت کے لائق نہیں؟ کسی اور کی عبادت کیوں نہ کی جائے؟ اللہ کریم فرماتے ہیں: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً (سورۃ البقرہ: 21-22) اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (گرفت سے) بچ سکو، جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، لوگو! اللہ کی عبادت اس لیے کرو کہ اُس واحد و لاشریک نے تمہیں پیدا کیا، کوئی دوسرا تمہیں پیدا کرنے والا نہیں۔ تمہارے پہلوں کو، تمہارے آباؤ اجداد کو، سب کو اُس نے پیدا فرمایا۔ پھر تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور بے پناہ نعمتیں اُس میں سجا دیں۔ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ہ (سورۃ البقرہ: 29) جس نے زمین میں سب کچھ پیدا کیا۔ زمین پر جو کچھ ہے وہ تمہاری خاطر ہے۔ تم اُسے استعمال کرتے ہو اُس سے فائدہ اٹھاتے ہو۔ آسمانوں سے تم پر بارشیں برساتا ہے۔ اُس سے تمہاری کھیتیاں، فصلیں، پھل اُگاتا ہے۔ کتنا اہتمام کرتا ہے ایک ایک فرد کی حیاتِ مستعار کے لیے! ایک پورا نظامِ شمسی چل رہا ہے ایک ایک بندے کی زندگی کے لیے! حیوانات، نباتات، جمادات ساری مخلوق انسان کی خدمت کے لیے ہے۔

ایک سوال تھا کہ لوگ جانوروں کو ذبح کر کے، شکار کر کے کاٹ

کے کھا جاتے ہیں، یہ زیادتی نہیں ہے کہ ایک ہنستا کھیلتا زندہ جانور ہے آپ اُسے ذبح کردیتے ہیں، کھا جاتے ہیں؟ علمائے حق نے فرمایا کہ جو جانور حلال ہے اور ذبح ہوجاتا ہے وہ تو اپنا مقصدِ زندگی پا گیا۔ اُسے پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ کی مخلوق کے کام آئے۔ جانوروں کو مارنا، ختم کرنا مقصد نہیں ہے لیکن ضرورت کے لیے شکار کرنا بھی درست ہے۔ ذبح کرنا بھی درست ہے لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ خطائیں ہم کریں، غلطیاں ہم سے ہوں، قربانی جانوروں کی دیں، اُنہوں نے تو کوئی گناہ نہیں کیا! ہر تخلیق کا ایک مقصد ہے۔ جانوروں کی تخلیق کا مقصد انسانوں کی خدمت ہے۔ وہ اپنا یہ مقصد پورا کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ ہمارا مقصدِ تخلیق کیا ہے؟ ہم اسے پورا کریں۔ اللہ نے جانوروں کو ہمارا مال بنا کر ہم پر حلال کردیا ہے۔ انہیں خریدنے اور پالنے پر ہماری محنت ہماری مشقت، ہمارا مال خرچ ہوتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں، اللہ نے اُنہیں ہماری ملکیت میں دے دیا۔ ہم اپنے گناہ دھونے کے لیے اُن کا خون بہاتے ہیں تو مخلوق پر یہ فضیلت ہمیں کس نے دی؟ اس وحدہٗ لاشریک نے۔

سادہ سی بات یہ ہے کہ جب کوئی اللہ کو ویسا مان لے جیسا وہ ہے ساری پریشانیاں ختم ہوجاتی ہیں۔ کوئی بندہ دُنیا میں پریشان نہ رہے اس لیے کہ اللہ کا عطا کردہ ایک ضابطۂ حیات ہے کہ انسان مکلف ہے جائز اور صحیح وسائل اختیار کرنے کا، کوشش کرنے کا، طلب کرنے کا۔ ہوگا کیا؟ جو اللہ چاہے گا۔ انسان جائز اور حلال محنت کرتا ہے۔ مزدوری کرتا ہے۔ جائز وسائل اختیار کرتا ہے۔ تو اُس پر اللہ کریم سے الگ انعام پائے گا۔ لیکن کام وہ ہوگا جیسا اللہ چاہتے ہیں۔ اِسے اپنی مزدوری، محنت کوششیں کرنے کا انعام الگ ملے گا۔ ہم اگر یہ بات دل سے مان لیں تو دنیا میں کوئی پریشانی رہ جاتی ہے؟ بیٹا بیمار ہوگیا بڑا پریشان ہوں، کیوں پریشان ہو؟ بیمار کس نے کیا؟ صحت کون دے گا؟ اللہ دے گا۔ تو تمہارے پریشان ہونے سے تو ٹھیک نہیں ہوگا! تمہیں اللہ نے مہلت دی ہے تو اُس کے لیے دعا بھی کرسکتے ہو۔ دوا بھی کرسکتے ہو۔ تم اپنی کوشش کرو باقی اللہ پر چھوڑ دو۔ ایک بزرگ سے کسی نے عرض کی کہ حضرت ساری دنیا پریشان ہے کوئی ایسا بندہ نہیں جو پریشان نہ ہو۔ ایسا آخر کیا سبب ہے کہ ہر بندہ پریشان ہے؟ جس کے پاس نوکری نہیں، وہ نہ ہونے سے پریشان ہے۔ جس کے پاس ہے وہ ہونے سے پریشان ہے۔ جس کے پاس دولت نہیں وہ دولت نہ ہونے سے پریشان ہے۔ جس کو مل گئی وہ رکھ کر پریشان ہے۔ کوئی بھی سکون میں تو ہے نہیں، یہ سارے پریشان ہیں اس کا کوئی علاج؟ اُنہوں نے فرمایا پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اللہ کے فیصلوں سے متفق نہیں ہیں۔ ہر شخص چاہتا ہے ویسا ہو جیسا میں چاہتا ہوں۔ لیکن ہوتا ویسا ہے جیسا اللہ چاہتا ہے لہٰذا یہ پریشان ہے۔ ہوگا بھی ویسا ہی جیسا اللہ چاہے گا، تو یہ پریشان پھرتے رہیں گے۔ اللہ کے فیصلوں کو مان لیں پریشانی ختم ہوجاتی ہے۔ کوئی پریشانی رہتی نہیں تو اسلام کی پہلی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ کو واحد ولاشریک، ویسا مانا جائے جیسی اُس کی شان ہے۔ جب ہم اُسے معبودِ برحق مانتے ہیں تو فیصلے کا حق کس کے پاس ہے؟ ہمارے پاس یا اُس کے پاس؟ ہمیں فیصلہ تسلیم کرنا ہے یا اختلاف کرنا ہے؟ اسلام یہ ہے کہ اللہ کے فیصلوں کو تسلیم کیا جائے تو اس سے سکون ملتا ہے۔ کفر یہ ہے کہ اُن کو رد کیا جائے کہ میرے ساتھ یہ زیادتی ہورہی ہے، یہ ظلم ہوگیا۔ میرے ساتھ اللہ نے بھی زیادتی کردی یہ سارا کفر ہے۔ اصدق الصادقین ﷺ نے فرمایا اسلام کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ اللہ کو مانا جائے جیسا وہ ہے وحدہٗ لاشریک، معبود برحق، عبادت کا حق اُس کو ہے، اُس کی عبادت کی جائے گی جو مخلوق کی حاجت براری کرے گا۔ جو مخلوق کی ضرورتیں پوری نہیں کرتا وہ عبادت کس بات کی کرواتا ہے! فرمایا اُس کے علاوہ کوئی دوسرا ہے ہی نہیں جو مخلوق کی ضرورتیں پوری کرے وہ وحدہٗ لاشریک ہی پوری کرتا ہے لہٰذا اللہ کو مانا جائے جیسا وہ ہے۔ اب یہ ماننا دو طرح سے ہوتا ہے۔ ہمارے فقہائے کرام اللہ اُن پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اس کی توجیہہ کرتے ہیں: اَلْإِيمَانُ تَصْدِيقٌ بِالْقَلْبِ وَقَوْلٌ بِاللِّسَانِ۔۔۔ زبان سے اقرار کیا جائے جبکہ قلب اُس کی تصدیق کرے۔ دل بھی مانے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

عقل وخرد تھک ہار کر مانے گی کیونکہ اللہ جیسا کوئی ہے نہیں! اس نے مان بھی لیا تو کوئی فرق نہیں پڑتا ''دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں'' دل بھی مانے، تب بات بنتی ہے۔ دل کے ماننے کا مطلب یہ ہے کہ پھر آپ اُس کے فیصلوں پر مطمئن ہوجائیں۔ اپنے آپ کو اُس کے سپرد کردیں وہ آپ کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ وہ کریم ہے وہ بخشنہار ہے۔ وہ خطائیں معاف کردے گا۔ غلطیاں کوتاہیاں معاف کردے گا۔ وہ بہت کریم ہے آپ کا بہت خیال رکھتا ہے۔ اب یہ جو کیفیاتِ قلبی ہیں۔ دل کا ماننا تو دل کی ایک کیفیت ہے یہ کہاں سے آئے؟ عقل تو ایک مادی شئے ہے۔ عقل کو دلائل چاہئیں، وہ دلیل سے مطمئن ہوجاتی ہے۔ ہم نے دلائل دیئے کہ اللہ واحد ہے وہ خالق ہے، اُس نے ہمیں پیدا کیا، اُس نے ہمارے لیے بارشیں برسائیں، اس نے ہمارے لیے رزق پیدا فرمایا، اُس نے ہمارے لیے زمین کو بچھونا بنادیا۔ آسمان کو چھت بنادیا۔ اس کی قدرت کے بیشمار دلائل ہیں۔ عقل نے مان لیا کہ ٹھیک ہے وہی معبود برحق ہے۔ اب دل کیسے مانے؟ دل تو دلائل سے نہیں مانتا۔ دل تو کیفیات سے مانتا ہے۔

دل تب تصدیق کرے گا جب بارگاہِ رسالت ﷺ سے کیفیات پائے گا:

اب دل کیسے مانے؟ دل تو دلائل سے نہیں مانتا، دل تو کیفیات سے مانتا ہے۔ دل تب تصدیق کرے گا جب بارگاہِ رسالت سے کیفیات پائے گا۔ کیفیت ایک حال ہے جو دل پہ وارد ہوتا ہے وہ کہاں سے آئے؟ کوئی ایسا پہاڑ، کوئی ایسی کان، کوئی ایسا خزانہ، کوئی ایسا مکان جو کیفیات سے بھرا ہو وہاں کا کھوج لگایا جائے۔ کیفیات بنی بنائی دل میں ڈالی جائیں تب بات بنے۔ فرمایا اس کا علاج یہ ہے۔ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔۔۔ اس بات کی تحقیقی شہادت دینا۔ پختہ شہادت دینا کہ سچی بات یہ ہے کہ یقیناً حضرت محمد ﷺ اُس کے بندے اور اُس کے رسول ﷺ ہیں۔ یاد رہے! غور فرمایئے، اُس کے بندے اور اُس کے رسول ﷺ ہیں۔ یہاں بڑی غلطی ہوتی ہے۔ ایک طبقہ سمجھتا ہے کہ حضور ﷺ کی شانِ عالی میں ہم اضافہ کررہے ہیں، اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ذات کو اللہ کی صفات میں شریک کرلیتے ہیں۔ یہ بھی ناجائز ہے۔ حق یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ تو اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ جب آپ ﷺ کی شان کو بڑھا کر اللہ کی صفات میں شریک کیا جاتا ہے تو ایک ردِعمل آتا ہے، ایک طبقہ معاذ اللہ! حضور ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات اور کمالات پہ تنقید شروع کردیتا ہے اور گھٹانا شروع کردیتا ہے۔ یہ بھی ظلم ہے۔ نہ گھٹاؤ نہ بڑھاؤ، بارگاہِ رسالت ﷺ میں یہ جرأت نہ کرو۔ اللہ کی بارگاہ میں حضور ﷺ بھی بندے ہیں۔ اُس کی ذات یا صفات میں شریک نہیں، لیکن یہ بھی مانو کہ اُن ﷺ جیسا کوئی دوسرا بندہ بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ سب سے بلند، سب سے اعلیٰ، سب سے ارفع، سب کے قائد، ایک بڑا خزانہ جس سے انبیاء علیہم السلام نے بھی برکات لیں، صحابہؓ نے لیں، تابعینؒ نے لیں، تبع تابعینؒ نے لیں، قیامت تک اہل اللہ اُس خزانے سے دامنِ دل بھرتے چلے جائیں گے، وہ ہیں محمد رسول اللہ ﷺ! اب ہمیں کیفیات لینی ہیں بارگاہِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے، تب دل تصدیق کرے گا۔ اسلام کا پہلا رُکن پورا ہوگا۔ ایک بنیاد بنے گی۔ ایک ستون بنے گا ایک دیوار بنے گی۔ ایک دیوار کی بنیاد بنے گی۔ یہ کیفیات کہاں سے آئیں گی؟ محمد رسول اللہ ﷺ سے!

ایک بندے میں ایک کمال ہے مثلاً وہ شاعر ہے آپ اُس سے شاعری سیکھنا چاہتے ہیں، آپ اُس کی تابعداری کریں گے یا مخالفت؟ ایک بندہ کاریگر ہے کسی فن کا ماہر ہے، آپ وہ فن سیکھنا چاہتے ہیں، اُس کی مخالفت کریں گے یا تابعداری؟ مخالفت میں کچھ نہیں ملے گا۔

ہمارے پاس یہ برکات کیسے آئیں گی؟

سینۂ اطہر محمد رسول اللہ ﷺ کیفیات کا خزانہ ہے، ہم سب محتاج ہیں۔ ہمارے پاس یہ برکات کیسے آئیں گی؟ اطاعت سے، تابعداری سے مان لینے سے۔ جب ہم اپنا جینا مرنا، اٹھنا، بیٹھنا، کھانا

پینا، کمانا خرچ کرنا یعنی امورِ دنیا کو، اپنی زندگی کو اتباعِ سُنت میں ڈھالیں گے تو کیفیات نصیب ہوں گی۔ اگر ہم کہیں یارسول اللہ ﷺ ہم سے تو یہ نماز نہیں پڑھی جاتی۔ روزہ بھی مشکل ہے، حلال پہ تو گزارہ نہیں ہوتا، تھوڑی بہت رشوت بھی لوں گا۔ تھوڑا سا سود لوں گا۔ تو باقی بچا کیا؟ پیچھے بچا کیا؟ کیا ملے گا وہاں سے؟ کیوں ہر مسلمان آوارہ، آوارہ پریشان پھرتا ہے؟ کیوں بندے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے ہیں؟ کیوں لوگ جانتے نہیں میں کسی کو قتل کررہا ہوں؟ قتل ہونے والا نہیں جانتا مجھے کس نے قتل کیا۔ کیوں مارتے مرتے پھر رہے ہیں؟ یہ وہ عذاب ہے جو رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی پر مرتب ہورہا ہے۔ جب کوئی چیز اپنے مرکز سے الگ ہوجاتی ہے تو آوارہ ہوجاتی ہے۔ اُس کا کیا، کسی گاڑی کے نیچے آجائے، کسی درخت سے اُلجھ جائے، کسی گڑھے میں جاگرے، آوارہ جو ہے۔ تو ہم نے دامانِ رسالت ﷺ عملاً چھوڑ دیا ہے، زبانی کہتے رہتے ہیں۔

ذرا سی بات ہوتی ہے جھوٹا بہتان لگ جاتا ہے۔ بہتان جھوٹ ہی ہوتا ہے، بہتان ہوتا ہی جھوٹ ہے۔ ساری مخلوق نکل آتی ہے اِسے قتل کردو، اس نے توہین کردی۔ یہ جو قتل کرنے والے ہیں اِن کا حلیہ اسلامی ہے؟ یہ باقاعدہ نمازی ہیں؟ یہ حلال کھاتے ہیں، حرام سے بچتے ہیں؟ ان کا لباس سترِ عورت شرعی ہے؟ کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر مخالفت، توہین تو یہ بھی کررہے ہیں۔ حکم نہ ماننا بھی تو ایک درجے کی توہین ہے، بلاشبہ گستاخی حرام ہے۔ کسی نے گستاخی کی، کوئی ایسا لفظ معاذ اللہ! منہ سے نکال دیا، حرام کام کیا لیکن عملاً نافرمانی کرنا اور عملاً کرنا یعنی جانتے ہوئے کرنا کیا گستاخی نہیں ہے؟ بالفرض کسی نے گستاخی کی بھی ہے تو گستاخ ہی گستاخوں کو ماررہے ہیں۔ اُس میں کوئی عالمِ دین، کوئی تہجد گذار، کوئی روزہ دار، کوئی حلال کمائی والا، کوئی نیک بندہ تو شامل نہیں ہے۔ کوئی اللہ اللہ کرنے والا، کوئی رات دن تلاوت کرنے والا، کوئی تسبیحات پڑھنے والا شامل ہے؟ نہیں تو پھر یہ کون سی محبت ہے؟ کیا آپ خود بھی مخالفت کررہے ہیں اور دوسرے کو اسی بات پہ قتل کررہے ہیں کہ اِس نے مخالفت کی؟ یہ محض چند باتیں ہیں۔ اس میں حقیقت نہیں ہے۔ ایک جذباتی لگاؤ ہے۔ باپ دادا سے سُنا ہم مسلمان ہیں، ہمارا لگاؤ ہے، ہمیں محبت ہے نبی کریم ﷺ سے۔ محبت ہوتی تو اطاعت کرتے، محبت ہوتی تو قدوم قدس کو چومتے، نقوش کف پا ﷺ کو تلاش کرتے۔ احکامِ عالی ﷺ کو ڈھونڈتے، بجالاتے اور سُرخرو ہوتے۔ محبت کا تقاضا تو یہ تھا۔ یہ محبت نہیں ہے ایک جذباتی لگاؤ ہے۔ سُنا سُنایا اور بس! یہ جذباتی لگاؤ لوگوں کو صرف رسول اللہ ﷺ سے نہیں ہے۔ سیاسی جماعتوں سے بھی ہے، کیا لوگ سیاسی جماعتوں کے لیے روز قتل نہیں ہورہے؟ اپنے اپنے نعرے لگاتے ہیں ایک دوسرے کو قتل نہیں کردیتے؟ جذباتی لگاؤ ہے ناں! وہی جذباتی لگاؤ ہے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ۔ محبت ہوتی تو شاعر نے کہا تھا

محبت کیا ہے تاثیر محبت کس کو کہتے ہیں
تیرا مجبور کر دینا میرا مجبور ہوجانا

محبت تو غلام بنادیتی ہے، محبوب کا غلام بنادیتی ہے، قیدی بنادیتی ہے۔ اُس کے اشارۂ ابرو پہ کوئی اُٹھتا ہے، بیٹھتا ہے، جیتا ہے، مرتا ہے، جان دینی پڑے تو دے جاتا ہے۔ یہ محبت ہوتی ہے۔ مخالفت کون سی محبت ہے؟ قدم قدم پر ادائے رسالت پناہی ﷺ کی مخالفت کی جائے، یہ کون سی محبت ہے؟ یہ محبت نہیں ہے یہ جذباتیت ہے جیسے سیاستدانوں سے ہے۔ کوئی مسلم لیگ کے نعرے لگا رہا ہے۔ کوئی پیپلز پارٹی کے لگا رہا ہے۔ کوئی تحریک انصاف کے لگا رہا ہے۔ اُن کے لیے لڑتے بھی ہیں قتل بھی کرتے ہیں، یہ جذباتی لگاؤ ہے، اس بارگاہ میں یہ نہیں چاہیے۔ بارگاہِ رسالت ﷺ میں محبت چاہیے، محبت دو، محبت لو۔ کسی نے دودھ لینا ہو، اس بندے کے پاس دودھ پڑا ہے، منوں پڑا ہے۔ ہمیں تو ایک پیالہ چاہیے، کوئی ناپاک گندہ سا پیالہ آپ لے جائیں تو دینے والا کیا دے گا؟ وہ تو کہہ دے گا ہوش کرو، یہ دودھ ہے۔ اس ناپاک گندے غلیظ پیالے میں میں تجھے دودھ ڈال دوں؟ ہمیں کیفیات چاہئیں تو دل کا پیالہ صاف کرو، اسے اللہ کے نام سے مانجو، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لکل شئی صقالۃٌ و صقالۃ القلوب ذکر اللہ--- اوکما قال رسول اللہ ﷺ۔ ہر چیز کی پالش ہوتی ہے جو اُسے چمکا دیتی

ہے، دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے۔ تلاوت کرو تسبیحات پڑھو۔ اللہ اللہ کرو ذکر قلبی سیکھو، اسے رگڑو، اسے چمکاؤ، اس میں کیفیات آئیں۔ ورنہ پلید، ناپاک اور گندے پیالے میں کون دودھ ڈال کے دے گا؟

فرمایا پہلی بنیاد یہ ہے کہ اللہ کو معبود برحق مانے اور قلب سے تصدیق کرے اس بات کی کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ کتنی خوبصورت بات ہے! اللہ کے ساتھ شریک نہیں ہیں، نہ ذات میں نہ صفات میں۔ معبود نہیں ہیں، بندے ہیں اللہ کے لیکن اُن جیسا کوئی دوسرا بندہ نہیں ہے۔ مخلوق میں افضل ہیں۔ خالق کے بندے ہیں۔ یہ مقامِ مصطفیٰ ﷺ ہے! یہاں ادب واحتیاط اور احترام چاہیے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں یہ محبت ہے اور اس میں اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو اللہ کی صفات میں شریک کر دیتے ہیں یہ بھی ناروا ہے۔ بعض ردعمل میں تنقید کرتے ہیں جو حضور ﷺ کی ستودہ صفات کے حوالے سے ہے یہ بھی ناجائز ہے۔ اعتدال رکھو، جیسا حضور ﷺ فرما رہے ہیں اِس حدیث پاک میں کہ یہ یقین کرو حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ ہر بندہ تو رسول نہیں ہوتا، بندے تو سارے بندے ہیں، بندے کا رسول ہونا ایک اور معنی رکھتا ہے اِلَّا اللّٰہُ! یہ پہلی بنیاد، یہ ایک ستون ہے اگر اس میں کمزوری ہے، خرابی ہے تو بنیاد خراب ہے۔ کمی ہے تو ستون کمزور ہے اِس پر عمارت کہاں تک جائے گی؟ یہ ہمیں دیکھنا ہے۔ زبان پہ اللہ کا نام ہو، اقرار نبوت ہو، دل میں کیفیات ہوں، دل مان رہا ہو کہ اللہ واحد ہے۔ آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ اُس کے بندے اور رسول ہیں۔

إِقَامِ الصَّلٰوةِ:

دوسرا رُکن، دوسری بنیاد ہے إِقَامِ الصَّلٰوةِ۔۔۔ نماز کو قائم کرے۔ قائم کرنا یہ ہے کہ اُس کے سارے شرائط وقواعد وضوابط کی پابندی کی جائے۔ اگر آپ سے کہا جائے کہ یہاں ایک کمرہ کھڑا کر دیں قائم کر دیں۔ اُس کا نقشہ دے دیا جائے۔ یہاں دروازہ ہوگا، یہاں کھڑکی ہوگی، یہاں الماری ہوگی، چھت اتنی اُونچی ہوگی۔ فرش فلاں چیز کا ہوگا۔ دیواروں میں فلاں Material لگے گا تو قائم کرنے سے مراد پھر یہ ہوگی کہ جو Material ہے وہ بھی پورا لگایا جائے۔ جس جس جگہ جو کھڑکی دروازہ ہے وہ بھی ٹھیک لگایا جائے۔ جیسا فرش ہے، جیسی چھت ہے، یہ تو قائم کرنا ہے اور خانہ پُری کرنا کہ چار دیواریں کھڑی کر کے چھت ڈال دی کہ یہ بن گیا، یہ قائم کرنا نہیں ہے۔ یہ بیگار ہے۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ نماز کو پڑھے، ادا کرے بلکہ فرمایا: إِقَامِ۔۔۔ نماز کو قائم کرے۔ وقت صحیح ہو۔ وضو درست ہو، لباس درست ہو، جگہ جہاں نماز پڑھ رہا ہے وہ جگہ صاف اور پاک ہو یا مسجد میں جائے، جماعت سے پڑھے، افضل ہے۔ خشوع وخضوع سے دل نماز میں لگاؤ۔ ایک ایک رُکن باقاعدگی سے ادا کرے۔ رکوع میں جائے تو رکوع پورا کرے اور جھک کر تین تسبیحات رکوع میں پڑھے، اکثر ہوتا یہ ہے کہ ہم ایک تسبیح رکوع میں جاتے ہوئے پڑھتے ہیں، دوسری رکوع میں، تیسری رکوع سے اٹھتے ہوئے پڑھتے ہیں۔ ایسے نماز ادا نہیں ہوتی۔ سجدے میں بھی لوگ ایسا کرتے ہیں۔ نیچے جاتے ایک دفعہ "سبحان ربی الاعلی" کہہ دیا، ایک دفعہ زمین پر ماتھا ٹیک کر، ایک دفعہ اُٹھتے کہہ لیا وہ سجدہ نہیں ہوتا۔ پورے سکون کے ساتھ پیشانی ناک دونوں ہاتھ اُنگلیوں انگوٹھوں سمیت، گھٹنے، پاؤں کی اُنگلیاں، انگوٹھا ان کا زمین پر ہونا ضروری ہے سوائے عذر شرعی کے، یہ سارے اعضاء سکون سے زمین پر ٹک جائیں تو پھر تین دفعہ پڑھے "سبحان ربی الاعلی" پھر اللہ اکبر کہہ کر اُٹھے تو یہ سجدہ ہوگا۔ ایک دفعہ جاتے تسبیح پڑھ لی، ایک دفعہ ماتھا زمین پر مار کر پڑھ لی، ایک دفعہ اُٹھتے پڑھ لی۔ اس طرح سجدہ ادا نہیں ہوتا نماز ادا نہیں ہوتی۔ اِسی طرح سارے ارکان سکون سے ادا کرے۔ ہم بھاگتے بھاگتے آتے ہیں چھینٹے اُڑاتے ہیں، کوئی جگہ گیلی کر لی، کوئی جگہ خشک رہ گئی، جلدی جلدی رکعتیں پوری کیں۔ سوچتے کہیں اور رہے، اس طرح نماز نہیں ہوتی۔ نماز کے بارے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: إِقَامِ الصَّلٰوةِ۔۔۔ نماز کو قائم کرے یعنی اُس کے شرائط اور ارکان کے ساتھ ادا کرے۔ یہ دوسرا رُکن یا دوسرا ستون یا دوسری بنیاد ہوگئی۔

إِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ:

باقاعدگی سے حساب کر کے زکٰوۃ ادا کرے۔ دنیا کے جتنے مالی

نظام گزر چکے، متروک ہو چکے یا جو آج کل چل رہے ہیں آپ سب کا مطالعہ کر جائیں ایک بات سب میں ہے کہ وہ کمانے کے طریقے متعین کرتے ہیں۔ مزدوری، ملازمت، تجارت کر کے کما سکتے ہو۔ کہتے ہیں چوری نہ کرو، رشوت نہ لو ناجائز نہ کماؤ۔ اس کے بعد وہ حکومت کا حصہ مانگتے ہیں، ٹیکس مانگتے ہیں۔ اس کے بعد جو بچتا ہے وہ آپ کا ہے، خواہ راستے میں رکھ کر آگ لگا دیں خواہ جلا دیں۔ جہاں جی چاہے خرچ کر دیں۔ اسلام ایسا نہیں کرتا، اسلام آپ کو بتاتا ہے کہ آپ نے محنت تو کی لیکن رزق اللہ نے دیا۔ محنت کا آپ کو الگ انعام ملے گا۔ جو آپ نے محنت کی وہ عبادت ہے، اللہ کے حکم کی تعمیل ہے، اُس کا آپ انعام پائیں گے۔ رزق اللہ دے گا۔ اُس کے دیئے پہ شاکر رہو۔ اُس میں حرام شامل نہ کرو۔ رشوت نہ لو۔ چوری نہ کرو، دھوکا نہ کرو۔ کم نہ تولو، کسی کے مال کی کوئی پائی اپنے مال میں مت آنے دو۔ اب خالص حلال جو تمہارے پاس ہے اُسے تم فضول خرچ نہیں کر سکتے۔ مال تمہارا نہیں، مال اللہ کا ہے، اُسے للے تللے میں نہیں لٹا سکتے۔ فرمایا فضول خرچ تو شیطان کے بھائی ہیں۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ (سورۃ بنی اسرائیل:27) مال کو فضول اڑانے والے تو شیطان کے بھائی ہیں۔ لَا تُسْرِفُوْا ۭ (سورۃ الاعراف:31) مال کو بے جا خرچ نہ کرو۔ ضرورت پہ خرچ کرو۔ ضرورت سے زائد پر خرچ نہ کرو۔ تمہارا نہیں، وہ اللہ کا مال ہے۔ تمہاری ضرورت سے زائد ایک سو روپیہ تمہارے پاس ایک سال محفوظ رہتا ہے۔ تمہارا کھانا، پانی، لباس، دوا علاج، رہائش اور دیگر ضرورتیں پوری ہو گئیں لیکن وہ ایک سو روپیہ خرچ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ ایک سال تک تمہارے پاس محفوظ ہے تو فرمایا اُس میں سے ساڑھے ستانوے تم رکھ لو ڈھائی روپے مجھے دے دو۔ سارا مال میرا ہے لیکن چھوٹا سا حصہ، ڈھائی فیصد میرے نام پر میرے کسی محتاج بندے کو دے دو، ساڑھے ستانوے فیصد تم رکھ لو۔ اب یہ کیا مشکل ہے؟ آپ کی ضرورتوں پہ زکوٰۃ نہیں ہے۔ آپ کے اخراجات پہ زکوٰۃ نہیں ہے، آپ کے استعمال کی گاڑی، استعمال کے گھر، استعمال کے لباس پہ زکوٰۃ نہیں ہے۔ بھئی جو چیز آپ کی ضرورت سے زائد ہے۔ وہ بھی سال آپ کے گھر پڑی رہی تو پھر اس پر زکوٰۃ کا حکم ہے۔ دنیا کا کوئی مالی نظام اُس رقم کو جو منجمد ہو جاتی ہے، سرمایہ ایک جگہ جا کر جم جاتا ہے اُسے واپس مارکیٹ میں نہیں لاتا۔ اسلام کا معاشی نظام ہے وہ اُسے واپس سرکل میں لاتا ہے، اُسے حرکت دیتا ہے۔ اُس سے اڑھائی فیصد مسکینوں کو دو، وہ پھر مارکیٹ میں آئے سرکل میں آئے۔ تو یہ تیسری بنیاد انتہائی ضروری بنیاد ہے کہ جو تمہاری ضرورت سے زائد سال بھر پڑا رہا، سونا چاندی ہے یا جواہرات پڑے ہیں۔ قبر میں تو لے کے جانے نہیں۔ اگر لاکھ روپے ہیں، لاکھ میں سے پچیس سو دینا ہے، کیا فرق پڑا؟ سارا اُس کا ہے۔ فرماتا ہے تُو ہی استعمال کر۔ لاکھ میں سے پچیس سو، میرے نام پہ سو میں سے ڈھائی روپے دے دو۔ یہ تیسرا رکن اور بنیاد ہے۔ اگر کسی نے نماز چھوڑ دی تو اُس نے دوسری بنیاد، دوسری دیوار گرا دی۔ زکوٰۃ بھی چھوڑ دی تو تیسری بنیاد، تیسری دیوار گرا دی۔

وَالْحَجّ:

حج چوتھا رکن ہے۔ آپ کی ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ آپ کے پاس پیسہ اُس سے زائد ہو۔ آپ زکوٰۃ بھی دے چکیں پھر سرمایہ بچ گیا، اتنا ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کو اُس مدت کا خرچہ جتنی مدت آپ نے حج کے لیے گھر سے باہر رہنا ہے، دے کر جائیں۔ اگر گھر کے لیے پیسے دے سکتے ہیں، راستے کا خرچہ آپ کے پاس ہے، دورانِ حج کے اخراجات آپ کے پاس ہیں۔ کوئی رکاوٹ نہیں ہے بیماری کی نہ کسی دشمن کی، نہ حکومت کی تو پھر آپ پر حج فرض ہے۔ آپ حج پر جائیں۔ یاد رکھیں عبادت ماننے کا نام ہے، مرضی کرنے کا نہیں۔ آج کل لوگوں نے حج چھوڑ دیا ہے، عمرہ کرتے ہیں۔ اگلے دن بھی ایک حاجی صاحب میرے پاس آئے، میں عمرہ کر کے آیا ہوں۔ عمرے والا بھی چھوٹا حج ہی ہے۔ حاجی کہتے ہیں۔ میں نے کہا آپ نے حج کیا ہوا ہے؟ نہیں، حج تو پھر کروں گا۔ بنیاد تو حج ہے، حج تو فرض ہے۔ آپ کے پاس وسائل ہیں تو حج فرض ہے۔ عمرہ تو فرض نہیں ہے، عمرہ تو نفل ہے۔ آپ کریں ثواب ہے۔ نہ کریں کوئی گناہ نہیں۔ نفل منافع کو کہتے ہیں مثلاً آپ نے دس لاکھ روپے Invest کیے۔ تجارت پر خرچ کیے مال خریدا، بیچا وہ بارہ لاکھ کا بک گیا۔ دس لاکھ اصل ہے دو لاکھ نفل ہے منافع ہے۔ اب کوئی

بندہ منافع لے لے اور دس لاکھ چھوڑ دے تو اُس نے کیا کمایا؟ منافع تو نہیں ہوا! دو لاکھ لے لیے اور ملک لاکھ جانے دیئے تو اسے نفع ہوا یا نقصان؟ عمرہ لے لیتے ہیں، حج چھوڑ دیتے ہیں۔ پتا ہے عذر کیا ہے؟ عمرے پہ آدھے پیسے لگتے ہیں وہ تو میرے پاس تھے۔ حج پہ دوگنا۔ جاننا چاہیے کہ جب تک بندے کے پاس حج کے پیسے نہ ہوں اس پر حج فرض ہے نہ عمرہ! عمرہ ہے ہی نفل عبادت، اُس کی ضرورت کیا ہے؟ اگر ایک سال میں، دو سال میں، پانچ سال میں اللہ نے عمرے کے لیے دیئے ہیں تو پانچ سال اور انتظار کرے، وہ خرچ کرے گا تو وہ بھی خرچ ہو جائیں گے۔ اُس میں جمع کرتا رہے، حج کی رقم پوری ہو جائے تو فرض ادا کرے، پھر عمرے کرتا رہے۔ حج کوئی نہیں کرتا عمرہ کرا آتے ہیں۔ یہ بات ماننے والی نہیں ہے یہ بات ہے مرضی سے کرنے کی۔ جیسے اب ہم کہیں جی وقت تو ظہر کا ہے، یا اللہ عصر کے وقت میں مصروف ہوں میں ابھی عصر بھی پڑھتا ہوں۔ ہو جائے گی؟ حج کے لیے فرصت نہیں ہے ابھی عمرہ کرا آتا ہوں۔ فقہاء کہتے ہیں کہ جو عمرے پہ جاتا ہے ثابت ہو جاتا ہے کہ اس کے پاس وسائل ہیں مکہ مکرمہ پہنچنے کے اور واپس آنے کے۔ اُس پہ حج فرض ہو جاتا ہے۔ تو پھر حج پہ تو جاتے نہیں تو یہ زیادتی ہے۔ اگر حج فرض نہیں ہے تو نہ جاؤ۔ بات مکے جا کر ختم نہیں ہوتی۔ مکے میں ابوجہل ساری عمر رہا ہے۔ مکہ سے نکل کر بدر میں قتل ہوا ہے اور قطعی جہنمی ہے۔ ابولہب مکے میں رہا مکے میں بیمار ہوا مکہ مکرمہ میں مر گیا اُس کا مکان اُس پر گرا دیا گیا، وہیں دفن ہو گیا۔ اُس کی قبر بھی مکہ مکرمہ میں ہے۔ قرآن کریم نے اُسے جہنمی کہا، مکہ مکرمہ جا کر بات نہیں ختم ہوتی۔ بات اندر سے ختم کرنی پڑتی ہے۔ مکہ مکرمہ میں جلیل القدر صحابہؓ بھی ہیں۔ روئے زمین پر مسلمان کہاں کہاں پھیلے ہوئے ہیں، کہاں کہاں برکاتِ محمد رسول اللہ ﷺ پہنچ رہی ہیں۔ ہے کوئی دنیا کا خطہ خالی؟ تو خالی مکہ جا کر نہیں بات بنتی، بات تب بنتی ہے جب دل کو مکہ بنایا جائے۔

حج اپنی شرائط کے ساتھ فرض ہے۔ حج کی شرائط ہیں۔ فرض ہو گا تو کرے اور یاد رکھیں حج سے پہلے یہ عمروں کا رواج چھوڑ دیں۔ یہ گستاخی ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ ہاں حج کر کے پھر جتنی توفیق ہو عمرے بھی کرتے رہیں۔ لوگوں کی اپنی اپنی پسند کی بات ماننے کا رواج ہے حالانکہ عبادت تو اللہ کی بات ماننے کا نام ہے، اپنی مرضی کرنے کا نام نہیں۔

وَصَوْمِ رَمَضَانَ:

پانچواں رکن رمضان شریف کا روزہ ہے۔ جو بالغ ہو، صحت ہو، رکھ سکتا ہو، عذر شرعی نہ ہو، وہ روزہ ضرور رکھے۔ قرآن کریم نے رعایت بھی دی ہے کہ مسافر قضا کر لے۔ ایسا بیمار جس کے صحتمند ہونے کی اُمید نہ ہو یا ایسا بوڑھا جس کے صحتمند ہونے کی اُمید نہ ہو وہ فدیہ دے، لیکن پھر فرماتا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ ہو سکے تو وہ روزہ رکھے فدیہ دے کہ تعمیل ارشاد تو ہو جائے گی لیکن جو کیفیات روزہ رکھنے سے دل میں آتی ہیں وہ تو نہیں آئیں گی۔ وہ مزہ تو نہیں آئے گا۔ وہ بات تو نہیں بنے گی۔ تو فرماتا ہے: وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (سورۃ البقرہ: 184) یہ رعایتیں تو ہیں لیکن روزہ رکھو تو بہت اچھی بات ہے۔ بہت بڑی بات ہے طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک، یہ بات یاد رکھو روزے کے افطار کا وقت غروبِ آفتاب ہے، مغرب کی اذان نہیں ہے۔ مغرب کی اذان غروبِ آفتاب کے پانچ سات منٹ بعد ہوتی ہے، روزہ پہلے کھل جاتا ہے۔ اسلام میں جب سورج ڈوب جاتا ہے تو اگلا دن شروع ہو جاتا ہے۔ تاریخ بدل جاتی ہے۔ رات اگلے دن کی شمار ہوتی ہے، جمعہ اگلی صبح آتا ہے رات کو جمعہ کی رات ہوتی ہے۔ تو جب سورج ڈوب جاتا ہے تو روزہ افطار ہو جاتا ہے اور اتنا وقت ہوتا ہے کہ بندہ افطار کر کے چند کھجوریں ایک گلاس پی لے تب جا کر مغرب پہ شفق میں کچھ تاریکی آتی ہے اور دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ مشرق سے سوا نیزے پر تاریکی اُوپر آ جائے۔ جب سورج ڈوبتا ہے تو رات کی تاریکی زمین سے اُبھرنا شروع ہوتی ہے۔ جب وہ سوا نیزے پر آ جائے تو مغرب کا وقت ہو جاتا ہے۔ جیسے سورج ڈوبتا ہے روزہ افطار ہو جاتا ہے کیونکہ روزہ اس دن کا تھا: ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (سورۃ البقرہ: 187) رات تک کا روزہ ہے رات میں روزے کو داخل نہیں کرنا ہے۔ دن دن کا روزہ ہے، رات اگلی تاریخ کی ہے، روزے کو رات میں داخل نہیں کرنا۔ ہمارے ہاں رواج ہے کہ تاریکی ہو لے تو روزہ کھولیں گے، وہ اگلی رات میں داخل ہو جاتا ہے۔ روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ سورج نظر آ رہا ہو تو بھی کھولنا جائز نہیں ہے اور سورج ڈوب کر اندھیرا دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ سورج

ڈوب گیا روزہ افطار ہوگیا۔ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۔۔۔ پھر روزے کو رات تک پورا کرو، رات میں داخل نہیں کرنا۔ رات کے آنے سے پہلے روزہ کھل جائے گا اور اس میں یہ پانچ چھ منٹ ہوتے ہیں تقریباً روزہ کھولنے کے جب سورج ڈوب جاتا ہے، مغرب کی اذان غروب کے پانچ چھ منٹ بعد ہوتی ہے۔ تو عموماً ہمارے ہاں رواج ہے کہ اذان ہوتی ہے تو ہم روزہ کھولتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ مؤذن عموماً روزہ کھول کر اذان کہتا ہے۔ یہ تو مؤذن پر ہے کہ سورج ڈوب جائے افطار کرے اور پھر اذان دے۔

یہ پانچ بنیادیں ہیں دین اسلام کی۔ ہمیں دیکھنا اپنے دامن میں ہے کہ جس مکان میں، جس گھر میں، میں صرف رہتا نہیں ہوں، جس مکان پہ مجھے بھروسہ ہے کہ یہ مجھے قیامت کے زلزلے سے بھی بچالے گا؟ میرا یہ مکان اتنا مضبوط ہے کہ یہ مجھے جہنم کی آگ سے بچالے گا۔ میرا یہ مکان اتنا مضبوط ہے، اللہ کا اس پہ اتنا کرم ہے کہ یہ عذابِ الٰہی سے مجھے بچالے گا؟ اگر اُس مکان کی دیواریں ہی گری ہوئی ہیں تو مکان تو نہ رہا کھنڈر ہوگیا۔ کھنڈر کیا بچائے گا؟ ہم میں سے ہر بندے کو ذاتی طور پر مسلمان ہونا ضروری ہے ہر بندے کا ذاتی طور پر اسلام قبول کرنا ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ باپ دادا مسلمان تھے ہم بھی مسلمان ہیں۔ ہمیں موروثی مسلمان نہیں چاہیے کہ سارا خاندان صدیوں سے مسلمان ہے اور بس! تمہیں پتا بھی ہے کہ اسلام ہے کیا؟ تمہارے مکان کی کتنی دیواریں سلامت ہیں؟ جس کی دیواریں نہیں ہیں اُس پر چھت کیا ہوگی؟ جس کی چھت بھی نہیں دیواریں بھی نہیں وہ کھنڈر ہے، اُس میں بیٹھے کیوں ہو؟ وہ تمہیں طوفان سے کیسے بچائے گا؟ اس مکان میں ہم نے پناہ لی ہوئی ہے اللہ کے کرم کی، اُس کی عطا کی، اُس کی رحمت اور اُس کی مہربانیوں کی، اُس کے غضب سے، دوزخ کے عذابوں سے جہنم کے زلزلوں سے بچنے کے لیے۔ اتنے بڑے بڑے حادثے ہوتے ہیں تو مکان تو بڑا مضبوط اور پائیدار ہونا چاہیے۔ جس مکان نے اتنے طوفانوں کا مقابلہ کرنا ہے اس کی دیواریں کتنی مضبوط ہونی چاہئیں! اُس کی چھت کتنی پائیدار ہونی چاہیے، اُس کے دروازے کھڑکیاں کس قدر مضبوط ہونے چاہئیں کہ قیامت کا زلزلہ اُسے گرا نہ سکے! حضور اکرم ﷺ کا ارشاد اور اللہ کریم کا بھی قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ ایسے میرے بندے ہوں گے جنہیں پتا ہی نہیں چلے گا کہ قیامت قائم ہوگئی! زمین پھٹ جائے گی آسمان پھٹ جائے گا، سورج جھڑ جائے گا، چاند ستارے گر جائیں گے، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اُڑ جائیں گے، سمندر خشک ہو جائیں گے۔ ہر چیز تہ و بالا ہو جائے گی، وہ مزے سے اپنے گھر میں بیٹھے ہوں گے، اُنہیں پتا ہی نہیں چلے گا کہ باہر ہو کیا رہا ہے؟ یہ کون لوگ ہوں گے؟ اُن کا یہ مکان مضبوط ہوگا ٹھوس ہوگا۔ دیواریں سلامت ہوں گی، بنیادیں سلامت ہوں گی، چھت مضبوط ہوگی۔ باہر زلزلہ ہے اُنہیں پتا ہی نہیں زلزلہ ہے یا نہیں۔ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① (سورۃ الحج: 1) قرآن کہتا ہے قیامت کا زلزلہ بہت بڑا زلزلہ ہے لیکن ان کا مکان اتنا مضبوط ہے کہ اُس پہ کوئی اثر ہی نہیں۔ ہمیں ایسا مکان بنانا ہے۔ یہ مکان ہمیں بنانا ہے، آج بنانا ہے، اب بنانا ہے۔ اب کی نماز اس جمعہ سے شروع کرو۔ اپنے یقین کو تازہ کرو کہ اللہ کو میں ویسا مانتا ہوں جیسا وہ ہے۔ آقائے نامدار ﷺ اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ ارکان ادا کر کے نماز کو قائم کیجئے۔ ٹھوس بنیادیں بناؤ، صحیح اینٹیں لگاؤ، کیوں پہلی کچی اینٹیں لگاتے ہو۔ دنیا عارضی گھر ہے، اس کی دیوار میں کوئی کچی اینٹ لگاتے ہو؟ تو پھر اخروی گھر کی بنیاد میں کیوں لگاتے ہو؟ کبھی وضو صحیح نہیں ہے، کبھی رکوع صحیح نہیں ہے، کبھی سجدہ پورا نہیں، ایک ایک اینٹ چن کر رکھو۔ یہ ٹھوس ہے سالم ہے۔ ایک ایک رُکن نماز کا تسلی سے ادا کرو۔ اللہ توفیق بھی دے۔ اللہ کریم قبول بھی فرمائے۔

ضرورت رشتہ

ہماری بیٹی رہائش کراچی عمر 35 سال تعلیم M.Phil(HR)، مہذب، غیر شادی شدہ، گندمی رنگ، قد 5 فٹ 4 انچ کو تعلیم یافتہ اور غیر شادی شدہ افراد کا جو دیندار ہوں، سلسلہ عالیہ سے یا پاکستان ایئر فورس سے منسلک ہوں کا رشتہ مطلوب ہے۔ خواہشمند حضرات درج ذیل نمبر پر اُمّ صفدر سے رابطہ کریں۔

0331-2707023

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

ہمارا یہ پروگرام الحمدللہ تھا تو اس کے لیے کہ جو کام ہم کر رہے ہیں اس کے بارے کوئی چیز آپ سمجھنا چاہیں یا کوئی وضاحت چاہیں جو سمجھ نہ آرہی ہو تو وہ پوچھ لیں لیکن اب یہ بن گیا ہے کہ جو چاہو پوچھو، جیسے یہ سوال ہے۔

سوال: مجذوب اور مجنون میں کیا فرق ہے؟

جواب: مجذوب اور مجنون دونوں، لفظ سے ظاہر ہیں۔ جذب ایک کیفیت ہوتی ہے راہِ سلوک میں اور یہ اُن لوگوں کو ہوتا تھا جو محنتیں کرتے تھے۔ اب تو یہ ایک رسم رہ گئی ہے اور الحمدللہ یہ رسم ہے۔ کل پرسوں بھی ایک خط تھا کہ صبح وشام پانچ چھ منٹ کر تو لیتا ہوں لیکن پھر کبھی کبھی رہ جاتا ہے۔ اب چوبیس گھنٹوں میں جو پانچ چھ منٹ ذکر کرے گا، پانچ منٹ صبح یا شام تو اس کی حیثیت کیا ہے، اس سے ہوگا کیا؟ حضرتؒ نے پندرہ سال شیخ کے پاس رہ کر لطائف کیے۔ شیخ کے مزار پر۔ تو سال میں مہینے ڈیڑھ کے لیے، ایک دفعہ مہینے بھر کے لیے پھر دوسری دفعہ جب فصل ہوتی تو زمیندار تھے، مزارعین سے فصل جمع کر کے گھر والوں کو دے کر پھر چلے جاتے۔ پھر آپؒ کا معمول یہ تھا کہ تہجد سے فجر تک ذکر کرتے، اشراق سے ظہر تک ذکر کرتے، ظہر کا کھانا کھا کے تھوڑی دیر آرام کرتے پھر عصر تک ذکر کرتے، پھر عصر سے مغرب تک کرتے، مغرب سے عشاء تک اور پندرہ سال تک کرتے رہے۔ کوئی اے سی (AC) ہوتا تھا نہ کوئی بجلی ہوتی تھی، نہ بجلی کے پنکھے ہوتے تھے۔

حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار کے گرد نہ کوئی چار دیواری تھی۔ وہاں بڑے بڑے کریں کے درخت ہوتے تھے اور جہاں کریں ہوتے ہیں وہاں بڑے بڑے سانپ ہوتے ہیں، وہ سارا اس طرح کا علاقہ تھا۔ اور پندرہ سال کی محنت کے بعد آپ کو سولہویں سال مراقبات کرائے گئے اور سولہ سالوں میں سالک المجذوبی تک مراقبات ہوئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے بھی الحمدللہ! اللہ نے توفیق دی کہ محنتیں کیں۔ ہم نے اپنی گھڑی میں سے منٹوں کی سوئی نکال دی تھی۔ ہم منٹ نہیں گنا کرتے تھے، یہ گنا کرتے تھے کہ کتنے گھنٹے ذکر ہوا ہے۔ سردیوں میں میں فجر کا ذکر دو سے چھ تک، چار گھنٹے میں لطائف کیا کرتا تھا اور پوری قوت سے کرتا تھا۔ اسی طرح رات کے کرتے تھے اور دن پھر جہاں فرصت ملتی کام بھی کرتے جہاں فرصت ملتی ذکر بھی کرتے تھے۔ جو ہم سے پہلے تھے وہ ہم سے بہت زیادہ محنتیں کرتے تھے۔ تو جو محنت کرتے تھے تو وہ کسی ایک مقام پر رک جاتے تو اُس کی تجلیات جلا دیتی تھیں اور جذب کی کیفیت آنا شروع ہو جاتی تھی۔ جذب میں حواس مختل ہو جاتے ہیں، ہوش نہیں رہتا۔ تو جو سلوک میں محنت کر کے، آپ سادہ سا لفظ استعمال کریں، پاگل ہو جائے اُسے مجذوب کہتے ہیں۔ جسے ہوش نہ رہے، حواس مختل ہو جائے۔ تو مجذوب جو ہوتا ہے وہ شریعت کا مکلف نہیں رہتا کیونکہ دماغ کی سلامتی تکلیفِ شرعی کے لیے شرط ہے۔ پاگل ہو جاتا ہے، اپنا بھلا بُرا بھی نہیں جانتا۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ مجذوب سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جسے اپنے بھلے بُرے کی تمیز نہیں کسی کا بھلا بُرا کیا کرے گا؟ مجذوب توجہ بھی نہیں دے سکتے کیونکہ اس کے انوارات واقعی

اتنے قوی ہوں مجنون نہ ہو۔ واقعی ہی مجذوب ہو تو اس کے انوارات قوی ہوتے ہیں، مبتدی اگر اس کے قریب سے بھی گزرے تو اُس کے سلب ہوجاتے ہیں۔ فائدہ نہیں ہوتا نقصان ہوتا ہے۔ جس طرح آپ ایک لوٹے سے پانی اُنڈیلتے ہیں وہ بہہ رہا ہے۔ اوپر سے ایک بالٹی انڈیل دیں تو وہ لوٹے والے پانی کا نشان تو مٹ جائے گا۔ تو مجذوب اُسے کہتے ہیں جو راہِ سلوک میں جذب ہوجائے اور اس کے حواس مختل کردے۔

مجنون کہتے ہیں جسے جنون کی بیماری ہوجائے۔ جنون ایک بیماری ہوتی ہے جس میں دماغی قوتیں شل ہوجاتی ہیں، دماغ کام نہیں کرتا۔ بندے کو بھلے بُرے کا پتا نہیں ہوتا کہ کیا کہہ رہا ہوں، کیا کھا رہا ہوں کیا کر رہا ہوں؟ لباس ہے، نہیں ہے تو کیا! اسے جنون کہتے ہیں۔ مجنون محض پاگل ہوتا ہے، مجذوب پاگل تو ہوتا ہے لیکن جس مقام پر وہ مجذوب ہوا آگے شریعت کا وہ مکلف نہیں رہتا، نہ کوئی کام کرتا ہے۔ آگے ترقی کرنہیں سکتا۔ وہ مقام اُس کا قائم رہتا ہے۔

سوال: فنائی الشیخ سے کیا مراد ہے؟

جواب: فنائی الشیخ سے یہ مراد ہے کہ جس خلوص اور جس جانفشانی اور جس محنت سے شیخ اتباع کرتا ہو اور اس میں جتنا مجاہدہ کرتا ہو، اتنا ہی مجاہدہ، اتنی ہی محنت، اُسی طرح خلوص سے کی جائے۔ بات اتباعِ شریعت کی ہے، بات اتباعِ رسالت ﷺ کی ہے۔ شیخ بھی اُس در کا ایک غلام ہے، مظہر ہوتا ہے سنتِ رسول اللہ ﷺ کا، فرائض الٰہی کا اور یہ فنائی الشیخ نہیں ہے کہ شیخ ایک بڑی چھڑی پکڑتا ہے تو ہم بھی پکڑ لیں۔ شیخ اُس طرح پگڑی باندھتا تھا ہم اس طرح کی پگڑی باندھ لیں، شیخ کا لباس ایسا ہوتا تھا میں بھی اس طرح کا پہن لوں یہ فنائی الشیخ نہیں ہے۔ فنائی الشیخ یہ ہے کہ جس خلوص سے جس تندہی سے، جس طرح شیخ اُس کام میں محنت اور مجاہدہ کرتا ہے اسی طرح محنت اور مجاہدہ کیا جائے اور ایک ایک عمل کو لے کر اپنایا جائے۔

سوال: مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب رواۃِ ثلاثہ میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ بعض اوقات دین کا کام کسی فاسق اور فاجر سے بھی لے لیتا ہے۔ اس حدیث مبارکہ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: جب اللہ چاہتا ہے تو کسی بدکار سے بھی دین کی خدمت لے لیتا ہے تو وہ قادر ہے۔ آپ دیکھ لیں کسی بدکار سے بھی دینی معاملات میں تعاون ہوجاتا ہے۔ لوگ عملاً باعمل نہیں ہوتے لیکن بعض اوقات کوئی معاملہ بنتا ہے کوئی دین کے مقابلے میں، کوئی دینی عمل کے مقابلے میں کوئی رکاوٹ بنتی ہے، کسی مدرسے پر کوئی مصیبت آتی ہے، کسی مبلغ کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو بدکار لوگ بھی مدد کر دیتے ہیں۔ یہ جو عہدوں پر بیٹھے ہوتے ہیں یعنی اسی طرح مساجد، مدارس کی تعمیر میں سارے پارسا ہی تو حصہ نہیں لیتے۔ اسی طرح جب نفاذِ دین کا وقت آتا ہے تو بیشمار لوگ جان تک دینے کو تیار ہوجاتے ہیں حالانکہ وہ نیک نہیں ہوتے۔ تو اس حدیثِ پاک کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ قادر ہے۔ دین کی مدد کے لیے چاہے تو بدکاروں سے بھی کام کرا لیتا ہے۔ دنیا عالمِ اسباب ہے اور کام کے اسباب میں انہیں بھی سبب بنا لیتا ہے۔

سوال: امام مہدیؒ غزوۃ الہند سے پہلے ظاہر ہوں گے یا غزوۃ الہند کے بعد؟

جواب: جہاں تک دلیل کا تعلق ہے تو اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ وقت کی تعیین نہ اللہ نے فرمائی ہے نہ رسول اللہ ﷺ نے اور یہ میں کئی دفعہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ امورِ غیبیہ جن کے بارے خبر دی جاتی ہے ان کی بہت سی تفسیر اللہ کریم بتا دیتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ، لیکن وقت کی تعیین نہیں کی جاتی۔ یہ علم اللہ کریم کے پاس ہوتا ہے۔ جب وہ چاہے گا تو، اس پہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ جہاں تک اندازہ کی بات ہے تو میرا اندازہ یہ ہے کہ غزوۃ الہند ہوگا، اس سے ایک دفعہ پھر دین پھیلے گا، روئے زمین پر پھر اسلام پھیلے گا، اس کے بعد پھر کہیں زوال آیا تو اس پہ امام مہدیؒ آئیں گے۔ یہ میرا اندازہ ہے، اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ اندازوں پر کوئی دلیل نہیں ہوتی کیونکہ اندازہ کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوتا۔

سوال: متقدمین صوفیاء فلسفۂ خودی کا درس دیتے تھے یعنی خودی کو مٹاؤ، پھر فلسفۂ خودی تو نہ رہا پھر تو فلسفۂ خودی ہوگیا پھر علامہ اقبال نے فلسفۂ خودی کو متعارف کرایا یعنی خودی کو بلند کرنے کا درس دیا۔ تو

دونوں فلسفوں میں تعارض کیا ہے؟

جواب: تعارض نہیں ہے سمجھنے میں تعارض ہے۔ خودی کو مٹانے سے مراد یہ ہے کہ احکامِ الٰہی اور سنتِ رسول ﷺ کے سامنے اپنی رائے کو ختم کر دیں۔ یہ نہ سوچو کہ میری سمجھ میں کیا آتا ہے، یہ سوچو کہ اس کام کے بارے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کیا حکم دیا ہے۔ اپنی حیثیت اس میں ختم کر دو۔ علامہ مرحومؒ نے جو فرمایا کہ خودی کو زندہ کرو یہ غیر اللہ کے لیے فرمایا کہ اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ کے علاوہ جتنی طاقتیں ہیں ان کے سامنے مت جھکو اور کہو کہ مجھے خود بھی ایک حیثیت اللہ نے دی ہے۔ میں اللہ کے سامنے جھکوں گا تمہارے سامنے نہیں جھکتا۔ تو دو پہلوؤں سے بات کی گئی ہے، تعارض نہیں ہے۔ ایک منفی پہلو سے بات کی گئی ہے، ایک مثبت پہلو سے بات کی گئی ہے۔ ایک ہی کام کے دو پہلو ہیں۔ منفی یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے روبرو اپنی رائے کو ختم کر دو۔ اپنے مشورے سے نہ سوچو، اپنی عقل کی بات نہ کرو، ایک کام پہ ڈٹ جاؤ کہ مجھے صرف اطاعت کرنا ہے۔ میری کوئی حیثیت نہیں۔ علامہ مرحومؒ نے کہا ہے کہ یہ جو بندے بندے کے سامنے جھکتے ہو اور دستِ سوال دراز کرتے ہو یہ چھوڑ دو، اپنی حیثیت قائم رکھو صرف اللہ کے سامنے جھکو، دوسروں کے سامنے نہ جھکو۔ ایک ہی کام، ایک ہی بات کو دو پہلوؤں سے کہا گیا ہے۔ تعارض نہیں ہے اس میں۔ علامہ مرحومؒ خود بھی صوفی تھے۔

سوال: قطب، ابدال اور اوتاد ان کے ذمہ کون سے کام ہوتے ہیں۔ سلسلۂ عالیہ میں یہ منصب کہاں سے شروع ہوتے ہیں؟

جواب: سلاسل تصوف میں اہل اللہ نے ان اوتاد، اقطاب اور غوث وغیرہ کا ذکر کیا ہے، دلائلِ سلوک ہی دیکھ لیجئے کچھ پڑھا بھی کیجئے، صرف سوال ہی نہ کیا کیجئے، مطالعہ کیا کیجئے تو آپ کو مل جائے گا کہ حدیث مبارکہ میں نبی ﷺ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کائنات کا ایک ظاہری نظام ہے جو ہمارے سامنے ہے، اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ سورج سے قدرت کتنے کام لیتی ہے، چاند سے کتنے کام لیتی ہے۔ مختلف ستاروں اور سیاروں اور ان کی گردش سے زمین پر کیا کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ تو جس طرح یہ ظاہری دنیا کے کام ان کے سبب ہوتے ہیں، اسی طرح باطنی دنیا کے بھی چاند ستارے ہیں۔ غوث روئے زمین کی آبادی میں ایک ہوتا ہے، قطب چار ہوتے ہیں۔ اسی طرح ابدال، اوتاد مختلف تعداد میں لیکن یہ ضروری نہیں ہوتا کہ جس کے پاس یہ منصب ہو اُسے خود بھی پتا ہو کہ میرے پاس منصب ہے۔ بعض کو پتا ہوتا بھی ہے اور بعض اوقات مرنے کے بعد یہ پتا چلتا ہے کہ میرے پاس تو یہ منصب بھی تھا۔ برزخ میں جا کر آنکھ کھلتی ہے۔ قدرت اس منصب سے جو کام لینا چاہتی ہے وہ لیتی رہتی ہے۔ جس طرح اب سورج کو کوئی پتا نہیں کہ میں چیونٹی کے انڈے سینک رہا ہوں یا ہاتھی کے بچے کو دھوپ لگا رہا ہوں۔ وہ اپنا کام کیے جا رہا ہے، اپنی کرنیں بکھیر رہا ہے، آگے اُن سے کیا کیا نتائج مرتب ہو رہے ہیں اس کی خبر سورج کو نہیں ہے۔ چاند کی چاندنی سے کیا کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ سویڈن میں انہوں نے ایک کوشش کی کہ بندرگاہ کی جو مچھلیاں ہیں وہ سمندر میں نہ جائیں اور سمندر میں جو زیروبم آتا ہے وہ بندرگاہ تک نہ آئے، تو انہوں نے بندرگاہ اور سمندر کے درمیان ایک دیوار تعمیر کر دی کہ سمندر کا پانی بندرگاہ تک نہ آئے اور بندرگاہ کا پانی اِدھر نہ جائے۔ اب قدرت نے ایسا نظام کیا ہے کہ چاند جوں جوں بڑھتا ہے تو سمندروں میں تلاطم آتا ہے اور جوں جوں گھٹتا ہے تو پُرسکون ہوتا جاتا ہے۔ تو وہ تلاطم سمندر میں تو آتا رہا لیکن جتنا انہوں نے تالاب سا بنا دیا تھا، دو میل، چار میل کے (Area) علاقے میں، اس میں نہ آیا، اُس تلاطم سے پانی الٹ پلٹ ہوتا ہے تو نیچے کے پانی میں آکسیجن ختم ہونے کو ہوتی ہے وہ اوپر آ جاتا ہے تازہ ہو جاتا ہے۔ اوپر سے تازہ پانی آکسیجن والا نیچے چلا جاتا ہے تو وہ سمندری حیات کا سبب ہے۔ جب بندرگاہ کے پانی میں تلاطم نہ آیا تو ساری مچھلیاں مر گئیں اور پھر اُنہیں سمجھ آئی کہ یہ دیوار نہیں بنانی چاہیے۔ اب چاند کے عروج و زوال سے رب کریم نے سمندر کے تلاطم کو جوڑ دیا اور سمندری تلاطم جو ہے وہ پانی کو تازہ آکسیجن سے بھر دیتا ہے۔ نیچے بیشمار سمندری حیات ہے، وہ اس سے آکسیجن لے لیتی ہیں وہ پانی اوپر آتا ہے تو پھر اُس میں آکسیجن بھر

جاتی ہے، وہ تازہ ہوجاتا ہے، وہ اوپر کا تازہ نیچے جاتا ہے انہیں تازہ آکسیجن مل جاتی ہے۔اب ایک نظام ہے،اب اس کو چاند کے بڑھنے گھٹنے سے قدرت نے جوڑ دیا لیکن شاید چاند کو تو کوئی خبر نہیں کہ نیچے کیا ہورہا ہے؟ اسی طرح یہ باطنی اور روحانی دنیا کے سورج چاند ستارے ہوتے ہیں۔یہ ضروری نہیں کہ انہیں پتا ہو کہ ان کے وجود کی برکت سے کیا ہورہا ہے لیکن وہ اثرات ہوتے رہتے ہیں۔اور حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ آخری زمانے میں پاگلوں اور مجذوبوں کو یہ مناصب دے دیئے جائیں گے، اُن کی وجہ سے دنیا تباہ ہوجائے گی۔ قیامت قائم ہوجائے گی۔ انہیں کوئی شعور نہیں ہوگا تو اس میں وہ بھی سبب بن جائیں گے تباہی کا۔

سوال: سلسلۂ عالیہ میں یہ منصب کہاں سے شروع ہوتے ہیں؟

جواب: بھئی یہ جہاں سے رب چاہے شروع ہوں اور جہاں سے رب چاہیں ختم ہوں۔ ویسے سلسلۂ عالیہ میں کافی مدت سے مناصب چل رہے ہیں۔ پچاس سال سے زائد عرصہ سے مناصب سلسلۂ عالیہ میں ہیں۔کس کے پاس کیا منصب ہیں میں نے نہ کبھی یہ جستجو کی نہ یہ میری ذمہ داری ہے۔ جو کام اپنے ذمہ نہ ہو اُس میں پنگے نہیں لیا کرتا، دخل نہیں دیا کرتا۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں غلطی بھی لگ سکتی ہے، سمجھنے میں غلطی بھی لگ سکتی ہے خوامخواہ! پھر دوسری بات یہ ہے کہ ان کا ماننا نہ فرض ہے نہ سنت ہے نہ واجب ہے۔ کوئی شرعی ضرورت نہیں ہے کہ ہم فلاں بندے کو غوث مانیں، فلاں بندے کو قطب مانیں، فلاں بندے کو ابدال مانیں۔ یہ کوئی شرعی ضرورت ہے؟ ہمارے ماننے نہ ماننے سے نہ ہمارے ایمان میں کوئی فرق پڑتا ہے نہ اُن کی شان میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ ہم اس کے مکلف نہیں ہیں، تو بندہ جن چیزوں کا مکلف ہے ان میں جستجو کرے، جن کا مکلف نہیں اُن کی جستجو کرنے کا کیا فائدہ؟ اپنے وقت کو اُس پر کیوں ضائع کیا جائے جو ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔ جس کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا، ہم سے کوئی قبر میں پوچھے گا، کون غوث تھا تمہارے زمانے میں؟ کون قطب تھا؟ تو جو پوچھا جاتا ہے اُس کی تیاری کرو۔ ویسے بھی وہ ایک گاؤں میں جولاہا تھا سادہ سا بندہ تھا تو گاؤں کا نمبردار فوت ہوگیا تو اس نے ماں سے پوچھا: اماں یہ نمبردار مرگیا تو اب کیا ہوگا؟ اس نے کہا اس کا بیٹا نمبردار ہوجائے گا اور کیا ہوگا۔ تو اس نے کہا وہ مرگیا تو؟ ماں نے کہا سارا گاؤں مرگیا تو بھی تمہیں نمبردار کوئی نہیں بنائے گا۔ تم جولاہے ہی رہو گے۔ سارا گاؤں بھی مرجائے تم جولاہے ہی رہو گے۔ تو یہ جو سات لطائف پہ پانچ پانچ منٹ لگانے والے ہیں انہیں کیوں فکر پڑگئی کہ غوث کون ہے قطب کون ہے؟ تم بے فکر رہو سارا گاؤں بھی مرگیا تمہیں نمبردار کوئی نہیں بنائے گا۔ یا اُس درجے کی محنت کرو تو یہ سوال ختم ہوجائیں جو اس درجے کی محنت کرتے ہیں۔

سوال: حافظہ بالکل کمزور ہو اور کوئی بات یاد نہ رہتی ہو تو اس کے لیے کیا کیا جائے؟

جواب: یہ تو آپ کے سوال بتا رہے ہیں جیسے میں نے پہلے عرض کردیا کہ آپ کو نمبردار کوئی نہیں بنائے گا۔ درود شریف کی ایک مقدار جو آپ آسانی سے پڑھ سکتے ہیں متعین کرلیں اور روزانہ باقاعدگی سے پڑھیں۔ ایک تسبیح، دو تسبیح، تین تسبیح جو آپ اپنی استعداد سمجھتے ہیں کہ اتنا میں آرام سے روزانہ پڑھ سکتا ہوں وہ متعین کرلیں، بہتر ہے وقت متعین کرلیں کہ صبح کی نماز فجر کے بعد پڑھوں گا یا ظہر کی نماز کے بعد، جو آپ کا فارغ وقت ہے اس میں تسلی سے اطمینان سے متوجہ ہوکر پڑھیں۔ کبھی آگے پیچھے ہوجائے، اس دن کا معمول اگر رہ بھی جائے تو رات کو دہرالیں، اگلے دن تک نہ جانے دیں۔ اس میں باقاعدگی کریں تو ان شاءاللہ ٹھیک ہوجائے گا۔ میرا خیال ہے جن کے دماغ کمزور ہیں وہ سارے ادھر ہی آرہے ہیں۔

سوال: حضرت جی مدظلہ العالی، جیسے سلسلۂ عالیہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ ہر آنے والا فرد اس قیمتی نعمت کو پالیتا ہے۔ اس نایاب نعمت کو کس طرح بچایا اور قبر تک لے کے جایا جاسکتا ہے؟

جواب: جب آپ کو روپے ملتے ہیں تو آپ کسی سے پوچھتے ہیں کہ ان کو کس طرح بچا کر گھر لے جاؤں؟ جب دولت ملتی ہے تو ساتھ عقل بھی آجاتی ہے۔ جب کوئی چیز ملتی ہے تو احساس بھی آجاتا ہے کہ اسے گھر لے کے جانا ہے، اسے راستے میں نہیں لٹانا، تو جب وہاں کوئی

سوال پیدا نہیں ہوتا تو یہاں سوال کس کا؟ یہ احساس زندہ ہوجائے یہ ادراک ہوجائے کہ میرے پاس کچھ ہے پھر بندہ اُس کی حفاظت کرلیتا ہے، اُسے سنبھال کے گھر لے جاتا ہے۔ گھر تو بندے کا قبر ہی ہے، تو اپنا خرچہ، اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اپنی کیش اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ اللہ پر بھروسہ کرے اور اللہ کی اطاعت کرے اور اتباعِ سنت کرے، یہی اس کی حفاظت کے ذریعے ہیں۔ گناہ خطا، بُرا کرنا، بُرا سوچنا یہ اس کی حفاظت کے حصار میں سوراخ کردے گا۔ چور آسکتا ہے، شیطان آسکتا ہے، تو گناہ سے بچا جائے، نیکی میں محنت کی جائے، کوشش کی جائے اور خلوص سے کی جائے، اللہ حفاظت فرمانے والا ہے۔

سوال: قرآن پاک میں ہے کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ گمان کی وضاحت فرمائیں کہ گمان سے کیا مراد ہیں؟

جواب: گمان ہوتا ہے کسی سے توقع رکھنا، اسے گمان کہتے ہیں کہ فلاں بندہ یہ کام کرے گا۔ اب یہ گمان ہے کہ وہ کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ تو بُرا گمان رکھنے سے اللہ کریم نے منع فرمایا ہے۔ ایک بندہ جرم کرتا نہیں، تم سوچ لیتے ہو کہ یہ کرے گا تم اس سے نفرت شروع کردیتے ہو، یہ کیا بات ہے؟ کسی سے ہم نفرت کرتے ہیں اور اُسے ہم دل میں بُرا سمجھتے ہیں تو یہ ایک سزا ہے اور سزا اندیشوں پر اور گمان پر نہیں دی جاسکتی کہ یہ ہمیں گمان ہو کہ یہ بندہ قتل کرے گا تو اسے پھانسی لگادو۔ ایسا نہیں ہوگا۔ اگر کوئی بندہ قتل کرتا ہے اور اُس پر جرم ثابت ہوتا ہے تو اُسے سزائے موت نہیں دی جائے گی کہ یہ قتل کرے گا، اس بات پہ کسی کو سزا نہیں دی جاتی کہ یہ چوری کرے گا۔ اندیشہ ہے کہ یہ چوری کرے گا اس کا ہاتھ کاٹ دو، ایسا نہیں ہوگا۔ چوری کرتا ہے تو پھر بھی ثبوت چاہیے ہوگا کہ کیا اسی نے کی ہے یا کسی اور نے کی ہے۔ تو گمان یہ ہوتا ہے کہ کسی سے نقصان پہنچنے کا یا کسی سے بُرائی پہنچنے کا کوئی اندیشہ ہو، اور بلا وجہ یہ نہیں کرنا چاہیے اور ایسا کرنا عنداللہ جرم ہے کہ ایک بندے نے جرم کیا نہیں اور آپ اس کے بارے یہ گمان لیے پھرتے ہیں کہ یہ کردے گا، تو یہ کوئی بات نہیں۔ اور معاشرے میں اور گھروں میں اور خاندانی زندگی میں اور گھریلو زندگی میں زیادہ تباہی اسی بدگمانی سے آتی ہے۔ ہمیں اگر کسی سے متعلق اندیشہ ہے تو اگر ہم بات کرلیں تو بات صاف ہوجائے، بات نہیں کرتے دل میں گمان لیے پھرتے ہیں کہ یہ ایسا کرے گا تو نفرت کرلیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں پھر اعمال ایسے ہوجاتے ہیں کہ لڑائی شروع ہوجاتی ہے۔ میاں بیوی میں بدگمانیاں گھر کو تباہ کردیتی ہیں۔ ویسے ہی اندازہ کرلیا کہ یہ ایسا کرتا ہوگا، بھئی کیا کرتا ہوگا؟ یا میری بیوی ایسا کرے گی، بھئی کرے گی تو دیکھا جائے گا۔ جی میری بیوی میکے کی سنتی ہے، بھئی میکہ بھی اس کا ہے، اس کا تعلق ہے۔ پھر جب دو بندے اللہ کے دین پر یکجا ہوتے ہیں مرد اور عورت تو میرے تیرے والدین نہیں رہتے۔ خاوند کے والدین بیوی کے والدین کا درجہ رکھتے ہیں اور بیوی کے والدین خاوند کے لیے بھی والدین کا درجہ رکھتے ہیں۔ پھر وہ میرے تیرے نہیں رہتے اپنے ہوجاتے ہیں۔ تو اگر بدگمانیاں آجائیں تو آپ نے دیکھا پھر کیا حال ہوتا ہے۔ اسی سے قرآن نے منع فرمایا ہے کہ واقعتہً وہ چیز واقع نہ ہوئی ہو لیکن بندہ یہ سوچ کر بیٹھ جائے کہ یہ ایسا کرے گا۔

اسی طرح بہتان کے بارے ارشاد فرمایا، بہتان ہوتا ہے کہ کسی نے وہ جرم کیا نہیں اور آپ اس کے ذمہ لگارہے ہیں۔ آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں، کوئی ثبوت نہیں، آپ کہتے ہیں یہ اسی نے کیا ہے۔

غیبت سے منع فرمایا گیا کہ کسی کے پیٹھ پیچھے اُس کی بات نہ کی جائے۔ اگر بات کرنی ہے تو اُس کے روبرو کرو کہ اس شخص نے یہ غلطی کی ہے تو اُس کے روبرو کرو۔ روبرو تو لوگ خوشامد کرتے ہیں، پیچھے سے پھر باتیں کرتے ہیں کہ اس نے یہ کیا اس نے یہ کیا۔ تو عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ اگر اس نے واقعی وہ جرم کیا ہو تو؟ تو فرمایا: تب ہی تو غیبت ہے، اس نے کیا ہی نہیں اور آپ پیٹھ پیچھے باتیں کرتے ہیں تو وہ تو بہتان ہے۔ تو ایک شخص نے ایک جرم کیا ہی نہیں اور آپ اس کے ذمہ لگا رہے ہیں یہ تو بہتان ہے۔ اگر اس نے کیا ہے اور آپ اس کے پیٹھ پیچھے بات کررہے ہیں تو یہ غیبت ہے۔ اس کے سامنے بات کریں تو یہ بظاہر چھوٹی نظر آنے والی چیزیں نتائج کے حساب سے بڑی ہیں۔ ان سے بچا جائے تو بہت سی مصیبتیں ٹل جاتی ہیں اور ان میں مبتلا ہوا جائے تو خاندانوں کے خاندان بکھر جاتے ہیں، تباہ ہوجاتے ہیں۔ تو اللہ کریم صحیح

سوچنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی شان کے مطابق اجر سے نوازے۔

بات خلوص کی ہے، دردِ دل کی ہے، ایمان اور یقین کی ہے۔ یہ دولت حاصل ہوجائے تو منجانب اللہ راستے کھلتے جاتے ہیں۔ بندہ نیکی کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں خلل واقع ہوتو دربند ہونا شروع ہوجاتے ہیں، نیکی سے بیزاری ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ نیک لوگوں سے بیزاری ہوجاتی ہے، نیکی بتانے والے کی بات اچھی نہیں لگتی۔ تو ہر بندے کو اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے اور اپنے آپ کو دیکھتے رہنا چاہئے۔ جیسے شوگر کا مریض ہر دوسرے، تیسرے دن مشین سے چیک کررہا ہوتا ہے، بلڈ پریشر کا مریض ہر دوسرے تیسرے دن یا روزانہ اپنا بازو لیے بیٹھا ہوتا ہے کہ میرا بی پی (B-P) چیک کردو۔ تو ہم سب ان اندیشوں میں گھرے ہوئے ہیں، کوتاہیوں، گناہوں، غلطیوں کے اندیشوں میں۔ تو اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے، دیکھتے رہنا چاہئے کہ دن کس باتوں میں خرچ ہوا۔ نیکی پر بسر ہوا یا گناہ کرتے رہے۔ محاسبہ کرنے سے اصلاح ہوتی ہے۔

علم کے ذرائع ہیں۔ سن کرسیکھیں، دیکھ کرسیکھیں، پڑھ کرسیکھیں، یہ تین ذرائع ہیں۔ سن کر بھی بندہ سیکھتا ہے، دیکھ کر بھی سیکھتا ہے پڑھ کر بھی سیکھتا ہے اور ان میں سب سے مؤثر ذریعہ جو ہے وہ پڑھ کر سیکھنے میں ہے کیونکہ دیکھنے میں بھی ہمیں بہت کم چیزیں ملتی ہیں، سننے کو بھی ہمیں اتنا نہیں ملتا جتنا ہم مطالعہ کرسکتے ہیں۔ پندرہ منٹ کوئی بیان کرلے گا، آدھا گھنٹہ ہوگا کوئی سکھائے گا ہمیں تو وہ ہم دیکھ کرسیکھیں گے تو وہ دس منٹ کرے گا، پندرہ منٹ، آدھا گھنٹہ ہوگا لیکن ہم مطالعہ کی عادت ڈال لیں تو دن کا بیشار خالی وقت ہم مطالعہ کرسکتے ہیں۔ راتوں کو کرسکتے ہیں۔ تو اگر آپ باقاعدگی سے المرشد ہی پڑھتے رہیں۔ تو یہ جو چھوٹے چھوٹے سوال ہیں ان کے جواب از خود آجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کتب سلسلہ اسی لیے ہیں کہ لوگ سمجھیں اور سیکھیں، دلائل السلوک اپنے معیار کے مطابق اور اپنے موضوع کے مطابق بہت مشکل کتاب تھی۔ اُسے ہونا چاہئے تھا، اس کا موضوع بھی اتنا مشکل تھا۔ اُس کے لیے اللہ کریم نے توفیق دی ہے اور میں نے کوشش کی ہے کہ اُسے اُس کے جوارشادات ہیں وہ آسان کردیا جائے اور آسان زبان میں بیان کردیا جائے۔ شاید ابھی چھپی نہیں، آجائے گی۔ میرے خیال میں چھپنے والی کتابوں میں وہ بھی ہے۔

اسی طرح مولانا تھانویؒ کی کتاب مسائل السلوک جو انہوں نے قرآنِ کریم کی ہر آیت سے اخذ کرکے ارشاد فرمائی تو وہ بھی ذرا مشکل زبان تھی وہ بھی کوشش کی گئی ہے۔ ایک اجتماع میں اس پر بیان ہوتے رہے کہ سلیس ہوجائے تو وہ الحمدللہ "ماہنامہ المرشد" میں آرہی ہے۔ وہ بھی المرشد میں ہوتی ہے اور اکرم التفاسیر بھی المرشد میں ہوتی ہے۔ ساتھیوں کے مضامین ہوتے ہیں تو ایک مہینے میں یہ چالیس پچاس صفحے کا رسالہ پڑھنا کوئی بڑی بات نہیں، ورنہ تو وہ ایک، ڈیڑھ گھنٹے میں پڑھا جاسکتا ہے لیکن اگر بندہ تھوڑا تھوڑا کرکے پڑھے ایک ایک صفحہ بھی کرکے پڑھے تو ایک مہینہ گزر جاتا ہے، تو مطالعہ کی عادت ڈالیئے۔ جاننے کے لیے جو سب سے مؤثر ذریعہ جو ہے وہ پڑھنا ہے۔ ذرائع اور بھی ہیں، بندہ دیکھ کر بھی جانتا ہے بندہ سن کر بھی سیکھتا ہے۔ لیکن کتنی دیر کسی کو دیکھے گا کتنی دیر کسی سے سنے گا۔ پڑھنا اس کے اپنے اختیار میں ہے۔ جتنا فارغ وقت ہے وہ پڑھ سکتا ہے، تو مطالعہ کی عادت ڈالیے۔ ایک تو دینی کتب پڑھنا ویسے ہی باعثِ ثواب ہے اور اللہ کی عبادت ہے۔ پھر اس میں اللہ کے ارشادات ہوتے ہیں، نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی برکات الگ ہیں اور جو معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ان پر بندہ عمل کرسکتا ہے تو وہ فائدہ الگ ہے۔ تو مطالعہ میں بیشار فوائد ہیں، تو مطالعہ کی عادت ڈالیے، اللہ کریم آپ کا علم بڑھائے، آپ کے دماغوں کو روشن کرے، آپ کے دِلوں کو روشن کرے، آپ کے سینوں کو روشن کرے۔

اپنے لیے سوچنا، اپنے لیے راحت و آرام چاہنا، اپنے لیے سہولتیں چاہنا یہ انسان کا تخلیقی طور پر مزاج ہے اور یہ ہر بندہ کرتا ہے اور اس میں کچھ اتنے کوتاہ ہوتے ہیں کہ دائمی راحتوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور صرف دنیا کی اور وقتی راحتوں پر آجاتے ہیں۔ یہ بہت کوتاہ نظر اور کمزور ہوتے ہیں۔ جو ان سے تگڑے مضبوط ہوتے ہیں وہ دنیا کے ساتھ

آخرت کا بھی سوچتے ہیں کہ دنیا میں تو ساٹھ (60) ستر (70) سال رہنا ہے اور وہاں ہمیشہ رہنا ہے تو دنیا میں بھی آرام تو ملے لیکن اُس آرام کے ساتھ آخرت کا آرام بھی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ دنیا میں لیتا رہوں آخرت ضائع کر دوں۔ جو اُس سے بھی بھلے لوگ ہوتے ہیں اور اچھے ہوتے ہیں جنہیں خاص الخاص کہتے ہیں وہ صرف اپنے لیے نہیں سوچتے، اللہ کی دوسری مخلوق کے لیے بھی فکر کرتے ہیں۔ اللہ ان کا بھی بھلا کرے، ان کو بھی ہدایت دے۔ اِن کو بھی ایمان دے، ان کو بھی توفیقِ عمل دے۔

یہ سب کرنے کے لیے جاننا شرط ہے اگر بندہ خود ہی نہ جانتا ہو تو دوسرے کو کیا کہے گا۔ تو مطالعہ کی عادت ڈالیے مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اور ضروری نہیں کہ بندہ حکومتی اداروں کے امتحان دے کر ہی پڑھا لکھا ہو اور بعض لوگ تین تین بار ایم۔ اے کر چکے ہوتے ہیں لیکن جاہل ہوتے ہیں۔ رٹے لگائے ہوئے ہیں، انہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ کس کتاب میں کیا پڑھا اور اس کا کیا فائدہ، کیا نقصان ہے۔ الفاظ زبانی یاد ہوتے ہیں، پرچہ دے آتے ہیں، نتیجہ آ جاتا ہے، پاس ہو گئے ہیں۔ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے تین تین مضامین میں ایم اے کیے ہیں لیکن بات کرو تو جاہل اجڈ لگتے تھے۔ شکل سے انسان نہیں لگتے تھے، حلیے بگاڑے ہوئے، بات کرتے تو ایسا پتا چلتا تھا جیسے وہ چر واہے ہیں، تو وہ علم نہیں ہوتا۔ علم وہ ہوتا ہے جو بندے کا حال بن جائے۔ قال قال رہنا علم نہیں ہے۔ باتیں کرتے رہنا، باتیں سیکھ لینا، باتیں بیان کر دینا، جو حال بن جائے وہ علم ہوتا ہے اور علم نافع وہ ہوتا ہے جو بندے کا حال بن جائے اور اس میں بھی جو فائدہ مند ہے وہ علم ہے، جو نقصان دہ ہے اُسے جہالت کہتے ہیں۔ اس سے بڑی جہالت کیا ہوگی کہ بندہ اپنا نقصان کرتا رہے لہٰذا جو علم غیر نافع ہے وہ علم نہیں کہلاتا، وہ جہالت کہلاتا ہے، چاہے وہ کتنی کتابوں سے حاصل کیا جائے۔ تو کوشش کیجیے، یہ اللہ کا احسان ہے کہ المرشد ایک ایسی اشاعت ہے جو کبھی پرانی نہیں ہوتی۔ یہ پچاس اور ساٹھ کے عشرے سے چل رہا ہے، آپ ساٹھ (60) ستر کے کسی سال کے المرشد نکال لیں تو آج بھی وہ کلام ویسا ہی تروتازہ ہے جیسا تب، چونکہ قرآن وحدیث ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے اور قرآن وحدیث تو پرانے نہیں ہوتے۔ ہر دور کے ہر عہد کی ضرورت ہیں اور قیامت تک رہیں گی، تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ المرشد میں مستند باتیں آئیں، مدلل باتیں آئیں، رطب و یابس قصے کہانیاں نہ آئیں اور ضعیف روایات اور اس طرح کی حکایت سے اس کا پیٹ نہ بھرا جائے بلکہ باتیں بادلیل ہوں اور راہنمائی جن سے ملتی ہو اور توفیق عمل اللہ عطا کرے تو عمل کے راستے متعین ہوتے ہیں۔

کوشش بہرحال یہی ہوتی ہے، اس کے باوجود گنجائش ہے کہ آپ کہیں کوئی کمی دیکھتے ہیں، کہیں آپ کی کوئی رائے بنتی ہے تو وہ آپ مدیر کو ارسال کر سکتے ہیں۔ ان پہ غور کیا جاتا ہے، ان پر بات کی جاتی ہے کہ یہ جو مشورہ کسی ساتھی نے بھیجا ہے اس سے کتنا فائدہ ہو سکتا ہے، کتنی اشاعت بہتر ہو سکتی ہے، تو اس کی گنجائش ہمیشہ رہتی ہے۔ بندہ جو بھی کام کرتا ہے اس میں بہتری کی گنجائش رہتی ہے، خواہ وہ کتنے خلوص سے کرے۔ تو بڑی اچھی بات ہے، آپ مطالعہ کریں آپ کی کوئی رائے بنتی ہے تو وہ مدیر کو ارسال کر دیں، اس پر بھی غور کیا جاتا ہے اور باقاعدہ میٹنگ میں یہ بات کی جاتی ہے کہ ساتھیوں کی یہ آراء آئی ہے اس پر، اُن میں سے کون سی زیادہ بہتر ہے۔ تو علم حاصل کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ مطالعہ ہے۔ اللہ کریم آپ کو توفیق دے اور قبول فرمائے۔

(آمین)

دعائے مغفرت

1۔ گوجرانوالہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ملک شوکت کی والدہ محترمہ
2۔ واہ کینٹ راولپنڈی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی طارق محمود کی والدہ محترمہ
3۔ منڈی بہاؤالدین سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی غلام محمد
4۔ کوئٹہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی شاہد رحمان کے والد محترم
5۔ کلورکوٹ ضلع بھکر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد طیب
6۔ ہری پور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی مولانا عبید شاہ کے زوجہ محترمہ

وفات پا گئے ہیں ساتھیوں سے دعا کی درخواست ہے۔

خواتین کا صفحہ

گھر کی ملکہ

عورت کیا ہے؟ خفیہ، پوشیدہ چھپی ہوئی، مستور۔ ہم کن چیزوں کو دنیا والوں سے مستور رکھتے ہیں؟ جو بہت قیمتی ہوں اور جنہیں ہم دوسروں کے ساتھ Share نہ کرنا چاہتے ہوں۔ یہی ہے عورت کی حقیقت، دنیا بھر کی قیمتی چیزوں سے بڑھ کر قیمتی ایک عفت مآب خاتون ہے جس کی عزت، جس کا وقار اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ بلا ضرورت اپنی سلطنت سے باہر قدم نکالے۔ اس کا گھر اس کی پناہ گاہ نہیں ہے وہ اس کی سلطنت ہے۔ جہاں ہر کسی کی اس تک رسائی نہیں، صرف وہ لوگ اس تک پہنچ پاتے ہیں جو اس کی ذات سے یا اس کے گھر سے متعلق ہیں۔ اس گھر کے ایک ایک ذرّے سے وہ واقف ہے اور جب جیسے چاہتی ہے اپنی توجہ سے اسے مزید سنوار دیتی ہے۔

کتنا خوبصورت ہے یہ احساس کہ ایک عورت اپنی توجہ، اپنے پیار اور اپنی محنت سے ایک مکان کو گھر بنا دیتی ہے۔ اس عارضی دنیا میں ایک پرسکون جنت۔ جنت بھی تو ایک ٹھکانہ ہے جس میں وہ لوگ رہتے ہیں جو دائمی راحت پا گئے لیکن جب تک اس دارِ ابتلا میں ہیں تب تک اس دنیا کے شور شرابے اور نت نئی وارداتوں میں گھرے انسان کے لئے اس کا گھر کسی جنت سے کم نہیں جہاں پہ وہ بے فکری سے آنکھیں بند کر سکتا ہے، ستا سکتا ہے اور اگلے دن کی مشقت کے لیے تازہ دم ہو جاتا ہے۔ اور ایسا صرف ایک عورت کی محبت بھری محنت کے باعث ممکن ہے کہ وہ ایک مکان کو گھر اور گھر کو جنت بنا سکتی ہے لیکن یہ تب ہوگا جب اسے اس گھر کی ملکہ تسلیم کیا جائے گا۔ اپنے دائرۂ کار میں وہ آزادی کے ساتھ اور اپنی پسند کے مطابق فیصلے کر سکے۔ ہر روز کی آزمائش الگ، اپنے حربے اور طریقے ہوتے ہیں۔ یہ تک سمجھ میں نہیں آنے دیا جاتا کہ وار کون کر رہا ہے اور کہاں سے کر رہا ہے؟ اور اس کا مقصد کیا ہے؟ کیا آپ نے یہ محسوس کیا ہمیں بڑے غیر محسوس طور پر یہ احساس دلایا جا رہا ہے کہ ہر وہ عورت جو گھر سے باہر جا کر کوئی کام یا نوکری نہیں کرتی وہ قیدی ہے اور ہر وہ عورت جو باپردہ ہے وہ مجبور اور مظلوم ہے۔

میرا سوال یہ ہے کہ کیا کبھی کسی ملک کے باشندے کو کسی نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے ملک کا قیدی ہے؟ نہیں ناں! کیونکہ وہ اس ملک کے لیے ہے اور وہ ملک اس شخص کے لیے۔ تو پھر یہ تاثر کہاں سے آرہا ہے کہ عورت کا گھر اس کا قید خانہ ہے؟ گھریلو زندگی میں کوئی لطف، مزہ اور خوبصورتی نہیں ہے؟ ایڈونچر نہیں ہے؟ غرض ہر طرح سے کوشش کی جارہی ہے کہ اسے اس کے اصل اور محفوظ ٹھکانے سے باہر نکال لایا جائے وہ جو ایک نازک آبگینہ ہے جسے بری نظر تک آلودہ کر دے۔ اُسے آخر کیوں بات بے بات اکسایا جا رہا ہے کہ وہ گلیوں اور بازاروں کی زینت بنے۔ آپ کو اپنا سرخی پوڈر، صابن شیمپو یا کپڑے جوتے بیچنے ہیں تو بصد شوق کاروبار کیجئے لیکن اس کے لیے اپنی قوم کی بیٹیوں کو بل بورڈز پہ سجا کر بے آبرو تو نہ کیجئے، کون کس نظر سے دیکھتا ہے کیا جانیے؟ پھر بیٹیاں تو سب کی سانجھی ہوتی ہیں، یوں بھی ایک عورت کی تذلیل سب کی تذلیل ہے۔ خدارا اس ٹرینڈ کو بدلیے۔ دوسری اقوام کی دیکھا دیکھی ہم بلا سوچے سمجھے ان راہوں پہ رواں ہوتے جا رہے ہیں جہاں سے واپسی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اور کچھ نقصان ایسے ہوتے ہیں جن کی بھرپائی ممکن نہیں ہوتی۔ معاشرے میں کچھ بھی نیا کام، نیا رواج عام کرنے سے پہلے سوچ لیں ہر کام شخصی آزادی کے زمرے میں نہیں آتا۔ ہمارے افعال اور رواجات معاشرے کی شکل

وصورت ڈھالتے ہیں اور اس کی ڈگر متعین کرتے ہیں۔ چھوٹی سی مثال جہیز ہی کو لے لیں، شادی کی رسوم اور نمود ونمائش پہ خرچے ہیں کہ بڑھتے بڑھتے ہمارے معاشرے کا ناسور بن چکے ہیں۔ کتنی بیٹیاں باپوں کی دہلیز پہ بیٹھی بوڑھی ہوجاتی ہیں۔

اسی طرح عورت اگر کھیل کے میدان میں بلا لہرائے گی، ٹورنامنٹس جیت جائے گی تو اس نے کتنی بھاری قیمت چکائی اس جیت کو پانے کے لئے، یا ملک کے طول وعرض کو ناپنے موٹر سائیکل پر سوار نکل کھڑی ہوئی تو اس بات کو آپ جتنی ہوا دیں گے اس کے وقار میں کمی تو آئے گی، عزت میں اضافہ نہیں ہوگا۔

سستی شہرت کا لالچ دے کر اسے شرم وحیا اور عفت وپاکیزگی جیسے قیمتی اثاثوں سے محروم کردینا اس سے اس کا عورت پن چھین لینے کے مترادف ہے۔ اسے یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ یہ سب کچھ کرسکتی ہے، عورت گاڑی بھی چلاسکتی ہے اور ہوائی جہاز بھی، گولی بھی چلاسکتی ہے اور راکٹ بھی اڑالے گی، جو اس کے ہاتھوں پروان چڑھتے ہیں وہ اگر دنیا فتح کرسکتے ہیں تو وہ 'بادشاہ گر' ہاتھ خود کیا نہیں کرسکتے۔ لیکن اسے اس سب کی ضرورت نہیں ہے، یہ میدان مارنے اس کا شعبہ نہیں ہیں۔ اس کی اصل، زندگی کو جنم دینا، پروان چڑھانا اور پھر مقصدیت دینا ہے۔ اگلی نسلوں کی امین ہے وہ۔ نہ صرف دنیا میں لے کر آنے والی ذات ہے بلکہ انہیں انسان بنانا بھی اس کے ذمے ہے۔ گھر وہ اکائی ہے جس پہ معاشرے کا سارے کا سارا پندار کھڑا ہے۔ بہترین مائیں ہمیں بہترین اور ذمے دار شہری فراہم کرتی ہیں اور قومیں اپنا وجود باقی رکھ پاتی ہیں۔ وہ جو کسی نے کہا تھا "تم مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں قوم دوں گا" غلط نہیں کہا۔ اب اس سے بڑھ کر اہم بھی کوئی کام ہوسکتا ہے؟

نوکری سے تنخواہ تو ملتی ہے مگر وہ صلہ نہیں جس سے دل اطمینان پکڑے۔ کیونکہ یہ تو اصول کی بات ہے کوئی بھی شے اپنی اصل کو چھوڑ کر نہ تو خوش رہ سکتی ہے اور نہ ہی کامیاب۔

پوری دنیا کے لیے وہ کوئی نہ سہی لیکن ایک نوزائیدہ کے لیے اس کی ماں پوری دنیا ہے۔ ہر آن اس کی آواز پہ کان دھرے دو گول گول سی حیرت بھری آنکھیں جو اس کا احاطہ کئے رہتی ہیں اور لمحے بھر کو اوجھل نہیں ہونے دیتیں اور پیار اور تشکر جو اس بے زبان بچے کی نگاہوں میں ہوتا ہے وہ ماں کی ساری تھکان دور کردیتا ہے۔ پھر وہ اعتبار اور اعتماد جو ایک خاوند کو اپنا گھر اور اپنی کمائی اس عورت کے سپرد کرنے پہ مجبور کردیتا ہے، اس کا بدل دنیا کے پاس نہیں ہے کہ عورت کی جھولی میں ڈال دے۔ اور اپنی اصل کا حق ادا کرنے پہ، اچھی بیٹی، اچھی ماں اور اچھی بیوی کے فرائض پورے کرنے پہ دو جہانوں کی سرخروئی جو اس کے حصے میں آتی ہے کیا اس کا بدل کچھ اور ہوسکتا ہے؟

کامیابی صرف وہ ہے جس کو اللہ کی رضا کی سند حاصل ہو اور اگر اس کو ناراض کرکے دنیا میں وقتی شہرت، عہدہ یا پیسہ پا بھی لیا تو دنیا کی زندگی کتنی سی ہے اور اسے کوئی کب تک انجوائے کر پائے گا۔ سب کچھ یہیں رہ جائے گا اور اپنے حقیقی اور ابدی گھر کو ہم خالی ہاتھ لوٹ رہے ہوں گے تو کتنے گھاٹے کا سودا کیا ہم نے؟

آیئے اپنی اصل کو لوٹ چلیں۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے اور جب تک سانس ہے تب تک آس ہے۔ ہماری زمین خالص اور جڑیں مضبوط ہیں لیکن تب جب اسلام کی زمین پہ کھڑے ہوکر بات کریں۔ اسلام کو چھوڑ کر نہیں، اس لئے کہ اسلام کے باہر کہیں بھلائی کا کوئی تصور نہیں۔ جو کچھ اسلام نے چھوڑ دیا وہ شر ہے، پھر ہم کس بھلائی اور کامیابی کے لیے اسلام کی حدود کو پھلانگتے ہیں؟

اسلام ہم پہ زندگی کی خوشیاں حرام نہیں کرتا اور نہ ہی کامیابیوں کی راہیں مسدود کرتا ہے لیکن ہر عمل ہر کام کے لیے کچھ شرائط وضوابط اور اصول ہیں۔ آپ ان حدود وقیود میں رہ کر علم حاصل کریں اُسے عمل میں لائیں، ہنر سیکھیں، مہارت حاصل کریں، اوروں کو سکھائیں۔

مسلمان خواتین نے تجارت کی، یونیورسٹیاں تک بنائیں اور تلوار بازی اور تیراندازی میں نام پیدا کیا، جنگیں بھی لڑیں اور زخمیوں کو طبی امداد بھی دی، کسی نے اپنا ہنر آزمایا تو کسی نے علم لیکن خود کو داؤ پہ لگا کر نہیں بلکہ اپنی شرائط پہ اور جواُن کی گودوں میں پروان چڑھے وہ محمد بن قاسمؒ اور طارق بن زیادؒ بنے اور امر ہوگئے، (بقیہ صفحہ نمبر 48 پر ملاحظہ کریں)

بچوں کا صفحہ

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

ع خان، لاہور

حضرت اسامہ بن زیدؓ ہجرت سے سات سال پہلے مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کے والد محترم کا نام حضرت زید بن حارثہؓ اور والدہ ماجدہ کا نام اُم ایمنؓ تھا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی پیدائش کی خبر سن کر حضور اکرم ﷺ بے حد خوش ہوئے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت اسامہ کے والد اور والدہ دونوں ہی سے حضور اکرم ﷺ کو خاص لگاؤ تھا۔ آپؓ کے والد محترم سے حضور اکرم ﷺ اپنے بیٹے کی طرح محبت فرماتے تھے۔ آپؓ کی والدہ محترمہ حضرت اُم ایمنؓ حضور نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی کنیز تھیں۔ جس وقت حضرت آمنہ کا انتقال ہوا تو حضرت اُم ایمنؓ قریب ہی موجود تھیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کو گود میں اٹھالیا اور آپ ﷺ کی نگہداشت کی۔ حضور اکرم ﷺ نے کئی مرتبہ فرمایا کہ اُم ایمنؓ میری ماں کی مانند ہیں اور یہ میرے اہلِ بیت میں سے ہیں۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی پیدائش پر حضور اکرم ﷺ کی خوشی دیکھ کر باقی تمام صحابہ کرامؓ بھی بے حد خوش ہوئے۔

صحابہ کرامؓ نے حضرت اسامہؓ کو حب النبی ﷺ کا لقب دے دیا۔ حضرت اسامہؓ عمر میں حضور اکرم ﷺ کے نواسے حضرت حسنؓ کے ہم عمر تھے۔ حضور اکرم ﷺ دونوں بچوں کو اپنی دونوں رانوں پر بیٹھا لیتے اور سینے سے لگا کر دعا فرماتے کہ الٰہی! میں ان دونوں بچوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی انہیں اپنا محبوب بنالے۔

جس طرح بچپن میں حضرت اسامہؓ سے حضور اکرم ﷺ نے پیار کیا، اُن کے جوان ہونے پر بھی حضور اکرم ﷺ نے اسی طرح ان کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا۔ ایک دفعہ ایک قریشی سردار حکیم بن حزام جو کہ رشتے میں حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے بھی لگتے تھے نے یمن سے خریدا ہوا ایک بے حد قیمتی لباس خرید کر حضور اکرم ﷺ کی خدمتِ عالی میں تحفہ کے طور پر پیش کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے وہ تحفہ کے طور پر قبول کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ سردار حکیم بن حزام نے اس وقت ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ البتہ آپ ﷺ نے وہ لباس قیمتاً خرید لیا اور صرف ایک دفعہ جمعہ کے دن پہنا اور پھر حضرت اسامہؓ کو عطا فرما دیا۔ حضرت اسامہؓ یہ لباس پہن کر خوب خوش خوش اپنے نوجوان ساتھیوں کے پاس آیا کرتے اور خوشی سے پھولے نہ سمائے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے عطا کردا تحفہ مبارک تھا۔

حضرت اسامہؓ خوبصورت عادات اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے آپؓ صرف ذہین ہی نہیں بلکہ دانشمند بھی تھے۔ بہت بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ نرم خو بھی تھے۔ اپنی پاکدامنی اور پرہیزگاری کے لیے مشہور تھے۔ اپنی ان بیشمار اچھی عادات واخلاق کی وجہ سے سب میں بہت پسند تھے۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر حضرت اسامہؓ بھی جہاد میں شامل ہونے کے لیے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن بہت چھوٹی عمر ہونی کی وجہ سے آپؓ کو جہاد میں شامل ہونے کی اجازت نہیں ملی۔ جب آپؓ اپنے گھر واپس لوٹے تو زاروقطار رو رہے تھے۔ غزوۂ خندق کی تیاری کے موقع پر آپؓ پھر نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بہت سے دوسرے ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ جب حضرت اسامہؓ اس میدان کی طرف چلے جہاں حضور اکرم ﷺ

موجود تھے تو آپؓ ٹخنوں کے بل اونچے ہو کر چلنے لگے کہ اس دفعہ پھر چھوٹی عمر کی وجہ سے جہاد میں شریک ہونے سے محروم نہ رہ جائیں۔ حضور اکرم ﷺ نے آپؓ کو اس طرح کرتے دیکھا تو خوش ہوئے اور آپؓ کو جہاد میں شریک ہونے کی اجازت عطا فرما دی، جب آپؓ کو یہ اجازت ملی اس وقت آپؓ کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔ جنگ حنین کے موقع پر مسلمان لشکر پر ایک ایسا نازک وقت بھی آیا کہ اُن کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ اس نازک وقت پہ ایک مسلمان فوج کا دستہ اس بہادری سے جم کر میدانِ جنگ میں لڑا کہ یہ دستہ باقی فوج کے لیے بھی پھر سے میدان کارزار میں جم جانے کا باعث بن گیا۔ اس چھوٹے سے دستے میں شامل بہادروں میں حضرت اسامہ بن زیدؓ بھی شامل تھے۔ یہ دستہ جنگ حنین میں فتح کا باعث بن گیا۔

جنگ موتہ میں حضرت اسامہؓ اپنے والد حضرت زید بن حارثہ کی قیادت میں جہاد میں شامل ہوئے۔ حضرت اسامہؓ نے اسی جہاد میں اپنی آنکھوں سے اپنی والد محترم کو شہید ہوتے دیکھا لیکن اسی بہادری سے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی قیادت میں دشمن سے نبرد آزما رہے۔ پھر حضرت جعفرؓ بھی شہید ہو گئے تو اسلام کا جھنڈا حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے سنبھالا، لیکن تھوڑی ہی دیر بعد یہ بھی شہید ہو گئے تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے اسلام کا جھنڈا تھاما اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور ان کی حکمت عملی سے رومی فوج میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئی۔ جنگ کے بعد حضرت اسامہؓ نے اپنے والد گرامی کو شام کی سرزمین میں سپردِ خاک کیا اور پھر اپنے والد کے گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ منورہ واپس پہنچے۔ اس وقت آپؓ کی عمر اٹھارہ سال سے بھی کم تھی۔

11 ہجری کو رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے جنگ کے لیے لشکر کی تیاری کا حکم صادر فرمایا، کیونکہ اطلاع یہ تھی کہ رومی مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس جہاد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ جیسے جلیل القدر صحابی بھی شامل تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس لشکر کا امیر حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بنایا۔ اس وقت حضرت اسامہؓ کی عمر بیس سال تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت اسامہؓ کو اس جہاد کی حکمتِ عملی بھی سمجھائی کہ کس راستوں سے اُن علاقوں کو فتح کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔ یہ علاقے ملک روم کے بالکل قریب واقع تھے اور ان علاقوں کو فتح کرنے سے رومیوں کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جاتی۔ ابھی یہ لشکر تیاریوں میں مصروف تھا کہ حضور اکرم ﷺ علیل ہو گئے اور چند ہی دن بعد وصال فرما گئے۔ اس ساری صورتحال کی وجہ سے یہ لشکر اس وقت روانہ نہیں ہوا۔

حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں اور میرے چند ساتھی تیارداری کے لیے حضور اکرم ﷺ کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے تو بیماری کی شدت کی وجہ سے اگرچہ آپ ﷺ خاموش تھے لیکن آپ ﷺ نے کئی دفعہ اپنا ہاتھ مبارک اوپر اٹھایا اور مجھ پر رکھ دیا۔ میں سمجھ گیا کہ حضور اکرم ﷺ میرے حق میں دعا فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ منتخب ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی قیادت میں لشکرِ اسلام کو اس کے مشن پر روانہ فرمایا۔ اس موقع پر چند انصار صحابہ کرامؓ نے مشورہ دیا کہ اگر اس لشکر کا امیر کسی عمر رسیدہ اور زیادہ تجربہ کار صحابی کو بنا دیا جائے۔ یہ وقت ایسا تھا کہ تمام جان نثاران شدید صدمہ کی حالت میں تھے، ایسا مشورہ دینے کا مقصد حضور اکرم ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنا نہ تھا بلکہ وجہ محض یہ تھی کہ قدرتی طور پر سب مسلمان صدمے کے ساتھ ساتھ ایک غیر محفوظ جذباتی کیفیت سے گزر رہے تھے، پھر منافقین بھی اس وقت پوری طرح سرگرم عمل تھے اور طرح طرح کے وسوسے اور ابہام مسلمانوں میں پھیلا رہے تھے۔ یہ پیغام حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچا تو وہ بے حد ناراض ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو اسامہؓ کو امیرِ لشکر بنایا اور تم مجھے مشورہ دیتے ہو کہ میں اسے معزول کر دوں۔ اللہ کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

الوداع کہنے کے لیے جب یہ لشکر روانہ ہوا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ تھوڑی دور تک پیدل اس لشکر کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ اس وقت حضرت اسامہؓ اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ آخر وہ بولے کہ اے خلیفہ رسول ﷺ بخدا آپؓ بھی گھوڑے پر سوار ہو جائیں یا میں گھوڑے سے اترتا ہوں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ فرمانے لگے کہ بخدا! نہ تو آپ نیچے اتریں گے اور نہ ہی میں سوار ہوں گا۔ کیا میرے لیے یہ اعزاز نہیں کہ کچھ عرصہ کے لیے اپنے پاؤں اللہ کی راہ میں گرد آلود کروں۔

اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت اسامہؓ کو دعائیں دیتے ہوئے روانہ فرمایا اور خاص طور پر یاد دہانی کرائی کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں جو وصیت فرمائی تھی اس کے مطابق کرنا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر (حضرت) عمرؓ کو میری معاونت کرنے کے لیے میرے پاس رہنے دیں تو بہتر ہوگا۔ حضرت اسامہؓ نے آپؓ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ کو وہیں رہنے دیا۔

حضرت اسامہؓ نے اس مشن کی کامیابی کے لیے پوری طرح حضور اکرم ﷺ کی فرمائی ہوئی جنگی حکمتِ عملی پر عمل کیا۔ اپنی منزل کی طرف بڑھتے ہوئے آپؓ کے لشکر نے سرزمین فلسطین میں بلقا اور قلعہ داروم فتح کیا جس کے نتیجے میں دور ونزدیک تمام لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں کی بہادری کی دھاک بیٹھ گئی۔ جیسے جیسے حضرت اسامہؓ کا لشکر آگے بڑھتا گیا فتح کے جھنڈے لہراتا گیا۔ شام، مصر، شمالی افریقہ کو فتح کرکے انہوں نے بحرِ ظلمات تک اسلامی سلطنت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

اس مہم کو کامیابی سے سر کرکے حضرت اسامہؓ اپنے لشکر کے ساتھ بڑی شان وشوکت کے ساتھ واپس لوٹے۔ اس مہم سے واپسی پر سب کہہ رہے تھے کہ جتنا مالِ غنیمت اس دفعہ آیا ہے آج سے پہلے کوئی لشکر اتنی کثرت نہیں لایا۔

حضرت عمر فاروقؓ جب بھی حضرت اسامہؓ سے ملتے تو خوشی سے خوش آمدید کہتے ہوئے فرماتے، میرا سردار آگیا، اور اگر کوئی اعتراض کرتا تو فرماتے کہ ان کو میرے لشکر کا سالار مقرر کیا گیا تھا۔ پھر ان کا بڑا احترام کرتے۔ اور محبت فرماتے۔

Siqarah The Learning Hub International (SALHI)

A sister concern under Siqarah School System

Admissions Open Now
Play group,
Pre-Kindergarten(Nursery),
Kindergarten (Prep).
Cell: 0300-4245232

Offering
American Education System

Opening Soon at
Dar-ul-Irfan, Munara
(Khushab Road, Dist Chakwal)

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۵

عائشہ خان، لاہور

میں اپنی زندگی اندھیروں میں گزار رہی تھی۔ پھر دین کی طرف میں ایک تعلیمات کے شعبے سے آئی تھی۔ اُس زمانے میں ان کے presidency میں درس ہوتے تھے اور ہمیں لاہور میں بیٹھے کیسٹیں مل جاتی تھیں، پانچ وقت کی نماز، تہجد، شرعی پردہ سب کچھ شروع کر دیا۔ ساری عمر، زندگی میوزک اور ڈانس میں گزاری تھی تو اس کا شوق دل سے نہیں جا رہا تھا۔ پورا پردہ کر کے مہندیوں میں جاتی اور دوسروں پہ فتوے لگاتی۔ لیکن دل میں بڑا انجوائے کرتی۔ اسی طرح گھر بیٹھے انڈین فلمیں بھی شوق سے دیکھ لیتی ڈرامے دیکھنے کا بھی شوق نہیں گیا۔

پھر تین لفظ میری زندگی کا حصہ بن گئے تھے۔ "شرک، بدعت، کفر۔" ہر جگہ فتوے دینا، وسیلے کے انتہا خلاف تھی، بزرگوں کے خلاف، اُس زمانے میں اس organization کی سعودی عرب سے انگریزی میں کتابیں آتی تھیں جس میں لکھا ہوتا تھا کہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ اتنے بڑے بزرگ تھے۔ آپ نے کیا اُن کی قبر میں دیکھا ہے۔ بس پھر کیا تھا، میں ہر بزرگ کے خلاف ہوگئی۔ اسی اثنا میں، میں اپنی ایک second cousin کے پاس درس attend کرنے چلی گئی۔ جو کہ پہلے شدید تعلیمات والے لوگوں کے ساتھ وابستہ تھی۔ پھر کسی تصوف کے سلسلے کے ساتھ جڑ گئی تھی، جو کہ اُس وقت مجھے نہیں پتا تھا اور نہ وہ سب کو بتاتی تھی۔ یہ میرے سے Kinnaird college میں دو سال senior تھی اور بالکل بے پردہ اور باقی خرافات میں، پھر یہ بدل گئی۔

میں نے اس سے ایک دن کہا کہ یہ وسیلہ مشسیلہ تو کچھ نہیں ہوتا نا۔ اس نے کہا میں کچھ نہیں کہتی تم "کشف المحجوب" پڑھ لو۔ میں نے جب پڑھنا شروع کی تو مجھے ایک خواب آیا جو میں اگلی صبح کچھ بھول گئی، کچھ یاد رہا۔ اگلی رات کو پھر وہی repeat ہوا۔ پہلے دن میں اپنی خاوند کو بتا رہی تھی کہ کوئی بول رہا تھا کہ اللہ کے حواری ہر دور میں ہوتے ہیں۔ حواری لفظ بھول چکی تھی۔ اگلے دن پھر repeat ہوا۔ اگلی رات خواب میں کہا گیا کہ آج تو نبیوں کے نبی رسول ﷺ بھی موجود ہیں۔ پھر وہی تھا کہ اللہ کے حواری ہر دور میں موجود ہوتے ہیں اور پھر جیسے کوئی کہہ رہا ہو کہ تم بھی ان میں سے ہو۔ خواب میں میں نے لاہور کی اویسیہ مسجد دیکھی۔ پھر کیا تھا تلاش شروع ہوگئی۔ اللہ کے سامنے انتہائی شرمندگی، رونا کہ میں اتنے بڑے بزرگانِ دین کو کیا کہتی رہی ہوں۔

دو دفعہ میں نے کسی پیر صاحب کے پاس جانے کی کوشش بھی کی لیکن بے سُود۔ پھر میری والدہ کی دوست آنٹی عارفہ محمود جو کہ ہمیشہ میری والدہ سے پوچھا کرتی تھیں کہ اپنی اس بیٹی سے ملاؤ جو دین پر ہے۔ وہ مجھے ایک دن والدہ کے گھر ملیں۔ میں نے بڑے فخر سے ان کو اپنی خواب سنانے شروع کیئے۔ وہ کہنے لگیں یہ تو تصوف کی پہلی سیڑھی بھی نہیں۔ اُن سے میں نے تصوف کی کتابیں لیں، پڑھنا شروع کیا۔ پہلی دفعہ جب میں نے محفل میں ذکر کیا تو مجھے باقاعدہ محسوس ہوا کہ اندر جیسے ایک جھاگ تھی، ایک کرب تھا، کوئی چیز بہت بے چین تھی۔ جیسے جھاگ بیٹھ گئی۔ اندر سے ایک خوشی اُٹھی ایک سکون ملا۔ عجیب بات تھی کہ پانچ وقت کی نمازی، تہجد گزار ہو کر بھی اللہ کریم کی معیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ مجھے شدت سے اللہ کریم کا قرب چاہیئے تھا جو مجھے قلبی ذکر سے ملا۔

میں نے ذکر شروع کیا تو مجھے کہا گیا کہ ذکر بھی عجیب سی چیز ہے اپنا X-Ray سامنے آجاتا ہے اُس وقت بات سمجھ میں نہ آئی لیکن ایک مہینہ یا اس سے کم ذکر کر کے جب اپنے اندر کا X-Ray سامنے آیا تو پتا چلا کہ میں منافق ہوں اور مجھ میں نہایت تکبر ہے۔ باقاعدہ محسوس ہوا کہ تعلیمات صرف حلق تک ہیں اس سے نیچے گئی ہی نہیں تھی تکبر ایسے چھپا بیٹھا تھا کہ سمجھ ہی نہیں آتی تھی ہر ایک کو دوزخی اور اپنے آپ کو جنتی سمجھتی تھی۔

جب تک میں تعلیمات میں تھیں میرے گھر والے خصوصاً میرے شوہر بہت تنگ پڑتے تھے میرے فتوے سُن سُن کے۔ جب میں سلسلہ عالیہ یعنی تعلیمات کے ساتھ برکات کے شعبے سے منسلک ہوئی

اور میرے خاوند نے حضرت جی مدظلہ العالی اور حافظ عبدالرزاق ؒ کی صحبت میں بیٹھنا شروع کیا تو خوشی سے چلا اُٹھے" ہاں یہ لوگ ہیں جو دین کی طرف attract کرتے ہیں، دین کو attractive بناتے ہیں اللہ سے ڈراتے نہیں ہیں بلکہ اس کی محبت کی بات کرتے ہیں، اتنی نرم مزاجی کوئی روک ٹوک نہیں، نہایت شفیق رویہ۔ صرف ایک کام ذکر کرو۔

مجھے ابھی تک یاد ہے۔ شروع میں میں ہر نماز کے بعد ذکر کرنے بیٹھ جاتی تھی کیونکہ مجھے شدت سے اللہ کا قرب چاہئے تھا، مجھے کوئی دنیوی لالچ نہیں تھا، صرف اللہ کی ضرورت تھی۔ پھر ذکر اللہ کی برکت اور صحبت شیخ سے ایسی زندگی بدلی کہ مزے ہی مزے ہو گئے۔ میں حیران ہو گئی جب اپنے دل کو باتیں کرتے ہوئے، guide کرتے ہوئے۔ میں حیران ہو گئی جب میری والدہ death bed پہ تھیں، coma میں جا چکی تھیں اور میں ان کا ہاتھ پکڑ کر ذکر کرتی رہتی تھی۔ میں اللہ کریم سے مانگتی تھی کہ آخری وقت میں ان کے پاس ہوں اور پھر مجھے ہمت بھی دیں کیونکہ میں گھر میں سب سے چھوٹی تھی۔ اللہ کریم کا اتنا احسان ہوا ذکر اللہ کی برکات وسیلہ بنیں کہ میری بہن جو کہ ڈاکٹر ہے وہ والدہ کو آخری وقت میرے اور میرے بھتیجے کے حوالے کر کے چلی گئی۔ سامنے نظر آ رہا تھا کہ downpulse/bp، ہو رہے ہیں۔ میں نے والدہ کے پاس بیٹھ کر ذکر کرنا شروع کر دیا۔ ایک دم میرا nephew بے چین ہو گیا،" دادو جا رہی ہیں" nurses کو بلاؤں، میں نے کہا نہیں اب ہم دعا کریں گے، فرشتے حاضر ہیں۔ میں دعا کر رہی تھی والدہ کی سانسیں بالکل ہلکی ہو گئیں اور جیسے ہی اللہ کریم نے والدہ کی جان نکالی مجھے باقاعدہ محسوس ہوا کہ جیسے اللہ کریم نے مجھے اپنے آغوشِ رحمت میں لے لیا ہو۔ بس پھر مجھے فکر رہی کہ کوئی کام شریعت کے خلاف نہ ہو۔ ختم والے دن بھی ایک بہن نے ذکر اللہ کی سب کو دعوت دی۔

غرضیکہ حضرت مدظلہ العالی کی شدید توجہ، شفقت اور محبت نے زندگی کو بہت آسان کر دیا، اپنے شیخ کی کرامات لکھنا شروع کروں تو شائید جگہ کم پڑ جائے لیکن سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ مجھ جیسوں کو جو کہ دنیا داری میں پھنسے ہوئے تھے، جو کہ عبادات بھی دنیا کے لیئے کرتے تھے، جو کہ زندگی میں ہر وقت Tense رہتے تھے۔ زندگی کو مزیدار بنا دیا۔ جب رُوح کو غذا ملتی ہے جو کہ اللہ کا نُور ہے تو اندر سے خوشی اُٹھتی ہے پھر زندگی کے اُتار چڑھاؤ ویسے متاثر نہیں کرتے۔ اللہ سے دوستی ہو جاتی ہے۔ جو باتیں پہلے ہلا دیتی تھیں۔ وہ اب normal لگنے لگ جاتی ہیں۔ سب سے بڑی نعمت جو ذکر قلبی سے عطا ہوتی ہے وہ ہے دل سے اللہ کی عبادت، اللہ کے کے فیصلوں پہ راضی ہو جانا۔ اللہ سے جب شدید محبت ہو جائے تو پھر سمجھ آ جاتی ہے کہ اللہ کریم جو بھی معاملہ ہمارے ساتھ کرتے ہیں وہ ہمارے لیئے best ہوتا ہے، پھر لوگوں کو پریشان دیکھ کر عجیب لگتا ہے۔ دل کرتا ہے ہر ایک کو یہ نعمت نصیب ہو، تاکہ زندگی میں ہی جنت کی ٹھنڈی ہوائیں محسوس کریں۔ اب تو اس سوچ پہ مجبور ہو گئیں ہوں کہ ذکر قلبی کے بغیر لوگ زندگی کیسے گزار لیتے ہیں۔

آخر میں میں اپنے شیخ المکرم مدظلہ العالی کیلئے کچھ اشعار پیش کرنا چاہوں گی جو کہ ایک ساتھی بہن نے لکھے ہیں لیکن ہم سب کی کیفیات کی عکاسی کرتے ہیں۔ اللہ کریم ہمارے شیخ المکرم کو عُمر دراز عطا فرمائیں، اُن کو صحت کاملہ عطا فرمائیں اور ہمیں ان سے کامل فیض لینے کی توفیق عطا فرمائیں! آمین۔

مرشد کامل نے ہم پہ یہ احسان کیا ہے
خلوت کو بھی ہماری مسلمان کیا ہے
گفت و شنید میں تھی کتنی سر کشی
سرگوشیوں کو بھی صاحبِ ایمان کیا ہے
پہچان تھی کہاں ہمیں ربِ کریم کی
صحبت نے آپ کی ہر دل کو دارالعرفان کیا ہے
بے ذوق تھی تحریر و تقدیر کس قدر
قرآن کو اب زندگی کا عنوان کیا ہے
حق و باطل میں اب کوئی مخمصہ نہیں
کیا خوب یہ فرق آپ نے بیان کیا ہے
مشغول تھے حصولِ لذات نفس میں
نگاہ نے آپ کی انسان سے حیوان کیا ہے
مر چلے تھے زندگی نبھاتے نبھاتے ہم
نسبت نے آپ کی موت کو آسان کیا ہے
ظلمت کی آندھیوں میں جلتے رہیں دیئے
اس دُھن میں آپ نے سب قربان کیا ہے
ہمیں پوچھتا نہیں تھا کوئی اہل زمین میں
ہمیں قابلِ توجہ اہل آسمان کیا ہے

طب

فالسہ
Greevia Asiatio

حکیم عبدالماجد اعوان (سرگودھا)

مربہ فالسہ:

پانی کو اچھی طرح ابالیں، اس کے بعد نیچے اتار کر 400 گرام پکا فالسہ ڈالیں۔ جب فالسہ گل جائے تو پھر ٹھنڈے پانی سے دھو کر رکھ لیں۔ پھر 300 ملی لیٹر پانی، اور 100 گرم چینی ملا کر آگ پر رکھ دیں اور جب تھوڑا سا گاڑھا ہو جائے تو فالسہ شامل کر کے تھوڑی دیر رکھ کر نیچے اتار لیں۔ فالسے کا مربہ تیار ہے۔

یہ جسم کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے دل و دماغ کو طاقت دیتا ہے بہت ہی ذائقے دار ہے خوشبودار بنانے کے لیے اس میں روح کیوڑہ شامل کر لیں۔

فالسہ کا استعمال مختلف امراض میں۔

پیٹ درد کیلئے:۔

اجوائن دیسی کا سفوف 2 گرام پھانک کر اوپر سے فالسے کا رس نیم گرم کر کے ایک اونس پلائیں پیٹ درد دور ہو جائے گا۔

دل کی کمزوری:۔

فالسے کے دانے 10 گرام، کالی مرچ 4 عدد، معمولی نمک ملا کر ایک ساتھ گھوٹ کر اس میں 200 گرام پانی ملا کر چھان لیں اور اسمیں 1/2 کاغذی لیموں کا رس ملا کر پلا دیں۔ موسم گرما میں اس کو استعمال کرنے سے دل کی کمزوری دور ہو جاتی ہے۔

معدہ کی کمزوری:۔

فالسے کے رس 10ml میں عرق گلاب 100 گرام۔ چینی 6 گرام ملا کے آٹھ دس دن پلائیں معدہ طاقتور ہو گا قے و متلی رک جائے گی اور ہائی بلڈ پریشر کے لیے بھی مفید ہے۔

دماغ کی کمزوری:

فالسہ دو اونس کا رس نمک کی چٹکی ڈال کر دن میں استعمال کریں اس سے دماغ کی خشکی ختم ہو کر تراوت آجاتی ہے اور دماغ کی کمزوری دور ہو جاتی ہے۔

پیشاب کی زیادتی:۔

فالسہ درخت کی اندرونی چھال کا سفوف 6 تولہ چینی 3 تولہ سفوف بنالیں صبح و شام گائے کے نیم گرم دودھ کے ساتھ استعمال کریں پیشاب کی زیادتی کو ختم کرتا ہے۔

پھوڑہ و پھنسی:

فالسہ کے پتے و کلیاں پانی میں پیس کر پھوڑے پھنسی پر باندھنے سے آفاقہ ہو جاتا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 42 سے آگے)

یا پھر جنید احمد بغدادیؒ اور عبدالقادر جیلانیؒ بنے، عبداللہ بن مبارکؒ، امام مالکؒ و بخاریؒ بنے اور ایک عالم کو دین وعلم سے بہریاب کر گئے۔

اپنی نوجوان نسل کو ہمیں اسلام کا وہ فہم وادراک دینا ہے کہ وہ اسلام کو اپناتے ہوئے خوشی اور فخر محسوس کریں نہ کہ مغرب کی چکا چوند کے سامنے شرمندگی۔ تاکہ ہمیں بھی سچی خوشی اور قلبی سکون نصیب ہو اور دونوں جہانوں میں کامیابی ہمارا مقدر ہو جائے۔ ان شاء اللہ!

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج

F.sc(pre.med)	B.sc
Ics	F.sc(pre.eng)
F.A(IT)	I.com
	F.A

1۔ سائنس اور آرٹس تمام کورسز میں داخلہ جاری ہے۔

2۔ آغاز F.sc کلاسز یکم اپریل 2017۔

3۔ آغاز B.sc کلاسز 15 جولائی 2017۔

ادارے کی نمایاں خصوصیات	ہاسٹل کی نمایاں خصوصیات
تدریس بزریعہ لیکچر سسٹم اور ملٹی میڈیا	طالبات کے لیے خصوصی طور پر باجماعت نماز کا اہتمام
سٹوڈنٹس کے لیے Seminars اور Presentation کا انعقاد	ہاسٹل طالبات کی بہترین دینی، دنیوی اور اخلاقی تربیت کا انتظام
M.Sc اور M.Phil تجربہ کار اساتذہ	طالبات کے لیے کالج کے بعد ایکسٹرا کوچنگ کلاسز
پریکٹیکلز کی تیاری سلیبس کے ساتھ ساتھ	طالبات کے لیے غیر نصابی سرگرمیوں کا انعقاد
E.Cat اور M.Cat کے ٹیسٹ کی تیاری کی سہولت	طالبات کے لیے احادیث اور تصوف کی خصوصی کلاسز
جدید سامان سے آراستہ کمپیوٹر لیب اور سائنس لیب	طالبات کے مکمل تحفظ کے لیے دن رات سیکورٹی گارڈ
بورڈ کے امتحانات اور پروفیشنل ڈگری کی منظم اور بھرپور تیاری	جنریٹر اور گیزر کی سہولت
انتہائی مناسب فیس کے ساتھ اعلیٰ معیار تعلیم	طالبات مڈل تا B.Sc ہاسٹل میں داخلہ لے سکتی ہیں

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج، دار العرفان، منارہ، ضلع چکوال

فون نمبر: 0543-562200، موبائل نمبر: 0332-8384222

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : کثرت سے حج اور عمرہ کرنے والا غریب اور محتاج نہ رہے گا۔
ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

زیارت حرمین شریفین اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ہماری خدمات حاصل کریں

احباب سلسلہ کیلئے اسپیشل ڈسکاؤنٹ اور بہترین سروس کیساتھ۔

ساتھیوں کو گروپ کی شکل میں بھی بھیجا جاسکتا ہے
ایڈوانس رابطہ کیجئے۔

سستے ترین عمرہ پیکیج

اکانومی
بجٹ اکانومی پلس سٹارز ہوٹلز
پیکیجز دستیاب ہیں

اور تمام ائرلائنز کی ٹکٹیں ایڈوانس بکنگ کیساتھ فوری دستیاب ہیں
نیز سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک کے
ورک ویزوں کے پراسس کیلئے ہماری خدمات حاصل کریں۔

العروج انٹرنیشنل ٹریولز

IATA PIA Come Fly With Us & PSA

GOVT LIC 2223

اینڈ اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز
لائسنس نمبر LHR-1559

اکال والا روڈ عبداللہ چوک ٹوبہ ٹیک سنگھ
0334-6289958
0334-0694165
046-2511559
046-2512559
WhatsApp: 0334-6289958
Email:alarooj@hotmail.com

صقارہ ایجوکیشن سسٹم کا مرکزی ادارہ علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج

صقارہ سائنس کالج

SIQARAH

بزرگان دین کی سرپرستی بچوں کی سیکورٹی کا اعلیٰ انتظام صاف ستھرا ماحول

داخلہ 2017 برائے جماعت لوئر مڈل سے ایف ایس سی

نمایاں خصوصیات

سیلکشن امیدوار کا تحریری امتحان، انٹرویو اور میڈیکل پاس کرنا لازم ہے

- ✔ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کشادہ کیمپس
- ✔ فیس کم، معیار اعلیٰ، بھائیوں کیلئے فیس میں خصوصی رعایت اور میرٹ اسکالرشپ
- ✔ مستعد اور تجربہ کار اساتذہ
- ✔ نظم وضبط اور اسلامی شعائر کی پابندی
- ✔ کھیلوں کے وسیع وعریض میدان
- ✔ والدین کو sms کے ذریعے حاضری اور امتحانی نتائج کی فوری اطلاع

داخلہ جاری ہے

ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

محکمہ تعلیم کے نامور ماہرین کے زیر نگرانی

صقارہ سائنس کالج دار العرفان منارہ ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال

For more Info: www.Siqarahedu.com Ph: 0543-562222

third excellence of Quran is that it affords us Guidance and Light; it leads us out of the Darkness towards the Divine Lights. It rescues us from the evilness, disbelief and polytheism. The fourth aspect of its excellence is that it teaches us the most accurate ways of living that are most beneficial, for us. Living according to them help us to lead a beautiful life here and also build a beautiful Hereafter. How much time do we dedicate to this lucrative activity daily?

It seems as if reading Quran daily is only the routine of those who lead Salat (prayers) in the mosque or who learn it by heart or those who teach and learn Quran. These are indeed very fortunate people who are blessed by Allah (SWT) to be associated with the learning of the Quran. People who are associated with other walks of life such as agriculture, business, public service or industry, how many of them read the Quran regularly and also try to understand its meaning? Firstly, very few read the Quran and even fewer bother to learn its meaning while those who ponder over the subtleties and realities of Quran are non existent! Think over this question; how many people illuminate their subtle hearts (qalab) wth the Word of Allah (SWT) everyday? Do we dedicate even twenty four minutes out of our twenty four hours to learning Quran, Hadees or their meanings? Do we take out any time from our routine for this activity? We are all well aware of the fact that one day we will leave everything behind and pass away, yet every one is in pursuit of worldly gains all the time. There minds are constantly occupied with plans to gain worldly bliss. Indeed, this world is very unique and alluring. The poor are more in need of worldly provisions yet the richer are greedy about it. They want more and more of it and that is what keeps them always, busy. They do this in spite of knowing the fact that one day they will have to depart from this world leaving everything behind. He can only take with him the actions performed in Allah's Obedience and his Devotion to Allah's (SWT) Word!

A saying of the Prophet (SAWS) recorded in Bukhari Sharif tells us that when on the Day of Judgment, the Trumpet will be blown and the dead will rise from their graves, a servant of Allah (SWT) will rise from his grave and will find a beautiful young woman standing by his grave. He will be stunned so the woman standing by his grave will tell him not to be afraid as she was his Salat (prayers) whom he had adhered all his life. She will say "You had carried my burden all your life now Allah (SWT) has sent me to take you to His Court and present you before Allah (SWT)". Another person will rise from his grave and will find an extremely horrible looking woman. He will be taken aback in surprise, wondering who she was. She will tell him "I am your sins; the things you did against the code of Allah's laws and pursued pleasure in the world. You used me as vehicle, now you carry me to the Divine Court!" (Summary of Hadees).

Indeed, our Beloved Prophet (SAWS) has informed us of such delicate and subtle realities, well in time. May Allah (SWT) shower His Mercy, in abundance, over the righteous scholars who have preserved and handed over these treasures of wisdom, as sacred trust, for the past fifteen centuries. They spent their entire lives in this service. Do we have some time to dedicate, to the study of our Faith, in our daily life? Do we have an hour or half an hour, to spare, in this pursuit?

****

Zikr- Superior to all forms of Worship

As a reward for Allah's Zikr, the Quran promised the believer a bounty par-excellence.

"Therefore remember Me, I will remember you" (2:152)

(Dalil-us-Salook, Page No.91)

although Allah's Mercy and Clemency knows no bounds. If a person fills up the entire space between the earth and heavens with sins and then repents sincerely, his repentance if accepted by Allah (SWT) is sufficient to wash out all those sins. However, there are some misdeeds which are unforgiveable and they divest the very capacity to repent and cause the hearts to be sealed off.

Quran tells us about the condition that their hearts are sealed off; their ears as well as their eyes are draped whereby they neither hear the Truth nor see or understand it and their hearts fail to accept it. The reason for this misery is their sins which are despised in the Court of Allah (SWT) and when a person does them, he is divested of the capacity to repent. Allah (SWT) has given the example of the People of the Book who denied the Prophet Hood of the Beloved Prophet (SAWS) and then engaged in conspiracies against Islam by convincing others to fight against Islam. They tried to physically harm the Prophet (SAWS), they initiated the Battle of Badr, Uhad and Trench. After all, why did these people need to resort to such militancy against the Prophet (SAWS) and his followers (RAU)? The basis for this audacity was their denial of Allah's (SWT) Message, the Book of Allah (SWT). This denial of Quran took them to the level whereby they resorted to fight the Messenger (SAWS) of Allah (SWT)! Alas! This denial, verbal and practical is such a vice that takes the person to a quagmire of sins.

We must never forget that the results are generated upon actions not words. A simple example of this can be seen in our daily life that if somebody says that I have eaten food and he repeats this sentence through out the day yet his hunger will not be satiated unless he actually eats food. Similarly when a person verbally declares to be a Muslim but practically defies the dictates of Allah (SWT) and the Sunnah of the Prophet (SAWS) then the results will be borne on his actions not verbal declarations.

OUR SORRY STATE TODAY!

(AKRAM-UL-TAFSEER, Vol 21, page118)

Today's era has witnessed a strange transformation of our temperaments and indeed it is strange that we engage in futile activities all day long. We spend a lot of time in conversations on the cell phones or playing games on them. We also religiously read newspapers or some magazines, daily, in spite of being aware of the fact that newspaper offer information which is based more on lies and exaggeration and less on truth. Moreover, the newspapers also follow a policy, it seems, that they will always print any and every wrong doing/crime that may have been committed. However, good deeds or act of piety never becomes news for them. If we pick a newspaper to read, it appears as if that there is nothing else but criminal activities such as theft, atrocities, sin and murder going across the globe. After all if the world is still thriving; it means that although evil is there but goodness is also practiced equally. Unfortunately goodness and piety are never considered worthy enough to be printed as news by the private media. Yet we never gave up reading newspapers.

Do we also read the Quran, regularly? Quran is the word of Allah (SWT) which was revealed unto the noble heart of the Messenger (SAWS). The word of Allah (SWT) was later compiled in a Book and handed over to Ummah.

There are many facets of excellence of Quran; the first being that this is the very Word of Allah (SWT) Himself and it is a rule that Speech caries a reflection of the Personality of the Speaker. In the light of this rule imagine the intensity of Divine Refulgence associated with Quran as it is the Word of Allah (SWT)! Secondly this Word of Allah (SWT) was sent unto the Noble, Pure and Subtle Heart of the Beloved Messenger (SAWS) of Allah (SWT) and delivered by his Noble Veracious tongue and Sacred lips. The

TYPES OF DISBELIEF (KUFR)

(FROM AKRAM-UL-TAFSEER, Vol 3, Pages (183-184)

Translation

Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

There are two ways in which disbelief or denial is done; one is when a person rejects a message out rightly. This denial is purely disbelief. The People of the Book had been given the news of the annunciation of the Prophet (SAWS) in Torah and Injeel. Hence, when the Christians and the Jews deny the message of the Prophet (SAWS), his Prophet Hood, they are actually denying their Books, as well. The second type of disbelief is when a person accepts the message of the Prophet (SAWS) but does not act according to the Book of Allah. He prefers to live by his own choice ignoring the dictates of Allah (SWT). This behavior is also considered as disbelief though the Islamic scholars have not declared it as disbelief through a verdict (Fatwa) but have declared it as Fisq (sinning). However, it must be remembered that the foundation of disbelief is also sinning and crime.

Sins are the source of taking a person to the destination called "Disbelief", as sin is a practical demonstration of denying Allah's Orders. This practical form of denial can be seen in our society, today. May Allah (SWT) forgive us. Quran has declared usury (interest) as a declaration of war with Allah (SWT) and his Messenger (SAWS) but as a nation we are dealing in usury and are enjoying it. In the beginning there was always a pretext that nothing can be done when officially the banking system is based on interest but ever since the Interest-free banking has been introduced how many of us have stopped taking interest? Majority of the people are still taking interest. Similarly in other matters of social behavior, in telling the truth, giving the correct testimony, safeguarding the wealth and honor of others, in fulfilling the rights of fellow beings, relationships, if we do not obey the Divine Guidance and do as it pleases us then this too is a form of denial.

THE OUTCOME OF PRACTICAL DENIAL:

This practical denial of Allah's (SWT) Orders is such a grave crime that it leads a person to disbelief and denial. Rather it takes him to a very critical state. Those who denied the message of Allah (SWT) they were such misfortunate people that their denial rendered their hearts hardened and so dark that they ended up assassinating their Prophets (AS). Quran uses the term 'wrongfully' with this killing which implies that even the killers knew that what they were doing was very wrong. They themselves knew that Prophets (AS) of Allah (SWT) were on Truth and that they were transgressing but they did it. Indeed it is a grave crime to kill Allah's Prophets but knowing that they are saying nothing but the Truth yet killing them is the gravest crime. This started with the denial of the Truth and culminated into assassinations of the Prophets (AS). For the rest of their lives these miscreants became so cruel that anyone who stood up on the right path they were opposed and killed by these cruel people. In other words the act of denying Allah's Commandments is such a misfortune that it leads a person to get involved in sins that can never be expiated,

Kashf and Ilhām fall in the Category of Revelation

And the aforesaid is an *ilhām*, which is a form of revelation made to Prophets. (***Fatah al-Bari***, vol: XII, p: 315)

Difference between Kashf and Dream

Dreams can be interpreted in a number of ways and according to certain rules. While every human being dreams; *ilhām* is vouchsafed only to the virtuous and the chosen few. (***Fatah al-Bari***, vol: XII, p: 315)

Kashf and Ilhām Denied to the Delinquent

The Prophet-S.A.W. called Hadhrat Umar '*Muhaddith*', and added that there had been such men among the followers of the foregone Prophets. This proves that *ilhām* is a covert inspiration and a reality. The delinquents are deprived of it because they are overpowered by the whispers of the devil. (***Fatah al-Bari***, vol: XII, p: 315)

The Denial of Ilhām is Condemnable

Said Ibn-e Samani, "The denial of *ilhām* is condemnable. ALLAH may honour any of His slaves with *ilhām*." (***Fatah al-Bari***, vol: XII. p: 315)

Kashf and Ilhām - only for the Aulia

We do not deny that ALLAH may honour any of His bondsmen, and strengthen his inner perception through His light. In fact it is a light which ALLAH may bestow on whomsoever He wills. (***Fatah al-Bari***, vol: XII, p: 315)

Kashf has a Revolutionary Effect

And the wizards fell down prostrate, crying, "We believe in the Rabb of the worlds, the Rabb of Musa-A.S. and Harun-A.S."

Ibn-e Kathir (vol: II, p: 237) comments on this verse:

The wizards of the Pharaoh, pitched against Prophet Musa-A.S. rose from their prostration only after they had actually witnessed Heaven and Hell, and the recompense of the Hereafter.

Note: Such is the revolutionary effect of *kashf*. The wizards of Pharaoh renounced royal companionship and material rewards. They gladly embraced death because the truth had been manifested to them through *kashf*, which instantly changed their lives.

True Faith Stems out of Manifestation of the Truth [4]

One day I happened to pass by the Prophet-S.A.W. He-S.A.W. said to me, "O Harith! How are you today?" I replied, "Believing truly, O Messenger of ALLAH!" Asked the Prophet-S.A.W., "And what is the truth of your belief?" My Answer was, "I have turned my back to this world. In earning my livelihood, I no longer have an eye on the creation; I worship Him by night and fast by the day; and it is as though I behold the Throne of my Rabb coming forth; and the people of Paradise taking joys together, and the people of Hell bemoaning together." The Prophet-S.A.W. commented (repeating it three times), "O Harith! You have seen the Reality, so hold it fast." (***Ibn-e Kathir***, vol: II, p: 286) **Continued...**

4. **Imam Ghazali has discussed various types of faith:**

i. To confess only by declaration, i.e. by word of mouth. This is the faith of hypocrites. (Allah forbid!)

ii. To corroborate it by the heart. This is the faith of the Muslim masses.

iii. To witness truth of the faith through *kashf*. This is the faith of His confidants. Beneath apparent causes they behold the Hand of ALLAH Almighty manipulating all events.

iv. To see Him manifest in everything. This is the observation of His true and sincere friends. (***al-Murshid al-Amin***, p: 228) **Continued...**

aulia. As a matter of fact, it cannot be described as knowledge since it is subject to change.

Writes Mullah Ali Qari in his *Mirqãt*, (vol: I, p: 76):

> Should you argue that since ALLAH has confided the knowledge of these five aspects of the Unseen to His Prophets and the *aulia* to a great extent, it cannot be called an exclusive domain of ALLAH. My reply is that this exclusiveness is with regard to fundamentals and not minor details or stray incidents. The Prophets and the *aulia* are given the knowledge of the latter which in no way compromises the principle of exclusiveness.

The inability to see beyond the outward form of objects is a great handicap and is a kind of punishment. This point has been discussed in detail in *Mirqãt* (vol: I, p: 151), under the explanation of the verse:

> *And he for whom ALLAH has not appointed light, for him there is no light.* (24:40)

According to learned *sûfis*, this hindrance is a torture of the worst order.

Another issue worthy of consideration is about the pre-existent form of objects, revealed to the Prophets and the *aulia*. Some people maintain that the things foreseen in *kashf*, appear as images. This is a baseless conjecture for the following reasons:

- An image is a post-existent phenomenon; while we are discussing the pre-existent form.
- The image of a human being will be a shadowy image of a person. Who can say that this image is of a particular person, when that person neither exists, nor is visible? What is seen in a dream does not actually exist. Its existence is visionary and vanishes immediately.

The existence of things disclosed in *kashf* is like the existence of ideas in the mind of an orator, which he intends to express during his speech. If the speech is supposed to have an image, then the speech as well as its subject matter will relate to the image and not to the ideas intended to be expressed. Similarly, the design of a house in the mind of an architect takes shape eventually in the form of a stone and brick structure with the help of external materials. It cannot be said that there was an image of a house in his mind. In fine, the mental picture forms the basis of the physical shape, it subsequently adopts with the help of external materials and the effort expended. Likewise, the existence of everything is predestined. It is in His eternal knowledge, and at its appointed time manifests itself in formal existence.

In summation, the shape of everything is predetermined before its formal existence; and limited knowledge of odd minor details of what has to appear in this world is granted by ALLAH to His Prophets and *aulia*. When something is revealed by ALLAH, it ceases to be *Ghaib* (Unseen). The knowledge of the Unseen is defined as the knowledge beyond the limits of human senses and intellect. Therefore, anything that can be seen or perceived cannot be called 'The Unseen'. Another attribute of the knowledge of the Unseen is that it must be personal and not acquired. Lastly, it should be enduring, endless and boundless. Any knowledge which is not personal but acquired through revelation, *kashf*, inspiration or a dream cannot be termed as knowledge of the Unseen, except by the totally ignorant.

---

[3] **The five aspects of the Unseen** as described in the glorious *Qurãn*: *The knowledge of the Hour, the rain, that which is in the wombs, what each soul will earn tomorrow and in what land will it die. (31: 34)*

KASHF AND *ILHĀM*

Translation of "Dalail us Suluk" written by Hazrat Maulana Allah Yar Khan (RAU)

Continued...
Chapter XVII

Prophets and the *Aulia* have Pre-vision of the Future (continued...)

People see various things in their dreams and no one wonders at it; the *aulia* have similar vision while awake. Just like the eyes are closed during sleep and all physical and mental activity is suspended; the *aulia* sit in a darkroom, close their eyes and concentrate on ALLAH. In this state they are blessed with *kashf*. Mullah Ali Qari writes in his *Mirqāt*, (vol: I, p: 2):

> During *zikr* darkness of the room helps to enlighten the heart.

According to *Faidh al-Bari*, (vol: I, p: 17):

> What the *aulia* see through *kashf*, and the Prophets[A.S.] with their insight while awake, cannot be seen by others.

Everything has a form and an essence; the eyesight views only the form, while the insight penetrates right to the essence.

The difference between the externalists and the enlightened saints is described in *Faidh al-Bari*, (vol: I, p: 18):

> The *Ulama* of the *Shari'ah* do possess a searching eye but the learned *sûfis* are blessed with subtle observation. The formers act upon formal *Shari'ah*, while the latters have an access to its spirit and essence through *kashf*, and regulate their engagements and practices accordingly. The Prophet[S.A.W.] said, "Every verse of the *Qurãn* has an apparent as well as an inner meaning, and everything has a limit; but deprived indeed is the one not blessed with insight."

The best illustration of the difference between form and essence is furnished by the anecdote of Prophet Musa[A.S.] and Hadhrat Khidhar as described in the *Qurãn*-(18: 65-82). Some self-conceited and deluded persons treat the knowledge of the reality of things and of Divine secrets, as the knowledge of the Unseen; and as the latter is an exclusive attribute of ALLAH, they deny the *kashf* bestowed on the *aulia*. This baseless argument has been refuted in an earlier chapter. In fact they do not accept the *Qurãn* and the Hadith as their guide, but pretend that their conduct has the approval of ALLAH and His Prophet. That is why they believe in the *Qurãn* and the Hadith only to the extent to which both seem to conform to their self-generated beliefs and conduct.

Faidh al-Bari (vol: I, p: 151) discusses these basic facts:

> Take a careful Note that the five aspects of the Unseen[3] pertain to affairs of creation and not to *Shari'ah*. That is why they have not been disclosed even to the Prophets[A.S]. The *Qurãn* proclaims that the knowledge of the Unseen is the exclusive domain of ALLAH and none besides Him has any access to it. Since the Prophets are raised to expound the *Shari'ah*, they are concerned with its laws and not with matters of creation. Moreover, these five aspects represent the fundamentals and not odd minor details. The knowledge of the latter is conferred by ALLAH even on His

MONTHLY
Al-Murshid

August 2017

Ziqad / Zulhijjah 1438H

الله رسول محمد

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الذِّكْرُ الَّذِي لَا تَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ
يَزِيْدُ عَلَى الذِّكْرِ الَّذِي تَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ سَبْعِيْنَ ضِعْفًا...

(الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب، فیض القدیر، رواہ البیہقی)

Hazrat Aisha (RAU) narrated that Prophet (SAWS) said: " Allah's remembrance which cannot be heard by Kiraman-Katibeen (Zikr-e-Khafee), is seventy times better than that which can be heard (Verbal remembrance).

CRYSTAL MOSQUE, MALAYSIA

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
7-AWAN SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE

Jehad refers to an effort to curb evil not merely to kill people. (Page 9)

(Page 9)

Al-Sheikh Mulana Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فورا سن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255